بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرما

(جلد دوم)

تالیف

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

معاونین

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

دارالعلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۳۷۵۷۸۷۸۰


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یوں فرماتا ہے کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۵۳)

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرماتا ہے

تلخیص البخاری

(جلد دوم)

تالیف

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

معاونین

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

ملنے کا پتہ

ہاؤس نمبر A-15، سٹریٹ نمبر 15، کیولری گراؤنڈ، لاہور کینٹ

042-36662099 - 0300-9422295

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بارِاوّل ۱۰۰۰

تاریخ طباعت جنوری۲۰۱۲ء

ناشر ..... دارالعلم

۱۴۱شاہ جمال کالونی، لاہور

مطبع ..... ایڈمن سٹوڈیو، ڈیزائنز اینڈ پرنٹر

۱۰-بی، شمع پلازہ، ۲۷-فیروز پور روڈ، لاہور

کمپوزنگ وڈیزائننگ.....حافظ محمد ناصر رشید

ملنے کا پتہ

ہاؤس نمبر A-15، سٹریٹ نمبر 15، کیولری گراؤنڈ، لاہور کینٹ

042-36662099-0300-9422295

اِظہارِ تَشکّر

ادارہ محترم محمد اسلم چوہدری صاحب چیف انجینئر (ر) کا ازحد ممنون ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی حتمی نظرِ ثانی میں اپنی بے لوث خدمت سے ہمارے اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

دار العلم

تعارف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان صاحب:

میڈیکل شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد سرکاری ہسپتال میں ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ سات سال اندرون ملک ملازمت کرنے کے بعد محکمہ صحت حکومت لیبیا کے پاس ملازمت اختیار کی۔ چار سال کے بعد وہاں سے برطانیہ روانہ ہو گئے۔ لیبیا کے قیام کے دوران عرب کلچر کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس سے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملی۔

برطانیہ میں طویل عرصہ قیام کیا۔ اسی دوران ویانا یونیورسٹی میں میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کیلئے ایک سال رہنے کا موقع ملا اور مشرقی یورپ کے کلچر کا بغور مطالعہ کیا۔ برطانیہ میں ملازمت کے ساتھ ساتھ میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے کوشش جاری رکھی اور ایم آر سی پی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر رائل کالج نے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے ایف آر سی پی کی اعزازی ڈگری سے بھی نوازا۔ ۱۹۹۱ء میں وطن واپس آ گئے اور یو سی ایچ لاہور میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر دس سال کام کیا۔ اب بھی جزوی طور پر ایک پرائیویٹ ہسپتال میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں چین جانے کا موقع ملا۔ وہاں اس اُبھرتی ہوئی سپر پاور کی طرزِ

زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اس وقت خاص طور پر دو چیزیں نوٹ کیں۔ ایک یہ کہ انکا ڈسپلن انہیں ایسے نظر آیا جیسے کسی ''اِسلامی ملک'' کا ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے انکے دِل میں پاکستان کیلئے انتہائی پُرخلوص جذبات کا مشاہدہ کیا۔ انہیں یقین ہے کہ ہمارا یہ عظیم دوست دُنیا کی سیاست میں عنقریب واحد سپر پاور بن کر اُبھرے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس طویل پروفیشنل سفر میں قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھنے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک منفرد انداز سے نوازا ہے۔

لیبیا اور یورپ کے قیام نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھنے میں ان پر بہت اثر چھوڑا ہے۔ انکی زیادہ توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث شریف ہمیں روزمرہ کی زندگی میں کیا رہنمائی کرتی ہے اور ہم کہاں تک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے اور عمل نہ کرنے کے نتائج کیا نکل رہے ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس پہلو سے دیکھنے کا یہ انداز انہوں نے اپنی کتاب میں اپنایا ہے۔

مفتی محمد صفدر علی صاحب:

مفتی صاحب دینی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بیرونِ ملک تعلیم و تدریس سے منسلک رہے ہیں۔ کینیا میں کئی سال قیام کیا اور وہاں کی مسلم آبادی کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ انٹرنیشنل دینی کانفرنسز میں شمولیت کا اکثر موقع ملتا رہتا ہے۔ عربی زبان میں دسترس رکھتے ہیں۔ آج کل ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارہ کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔

بہترین دینی واعظ ہیں۔ اکثر جمعہ کے موقع پر لوگ انکے وعظ سے مستفید

ہوتے ہیں۔عوام الناس اپنے دینی مسائل کے حل کیلئے انکے پاس ہمیشہ مجمع لگائے رکھتے ہیں۔فقہی مسائل میں خاص رجحان اور تجربہ رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف میں انکے مشورے انتہائی مفید رہے۔اس کتاب کے مسودے کی بڑی محنت سے نظر ثانی کی ہے اور تنقیدی نگاہوں سے اس کتاب کو مفید تر بنایا ہے۔

علامہ محمد طاہر صاحب:

محمد طاہر صاحب اعلیٰ تعلیمی اسناد سے مزین ہیں۔ایک دینی خاندان سے تعلق رَکھتے ہیں۔ایم اے (انگلش) اِسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے کیا۔درسِ نظامی منہاج القرآن یونیورسٹی سے کیا۔شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ایم بی اے کی ڈگری مشہورِ زمانہ یونیورسٹی لَمز (LUMS) لاہور سے حاصل کی۔مقابلے کا امتحان سی ایس ایس (CSS) پاس کیا اور وفاقی حکومت میں ملازمت شروع کی۔اس وقت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔خاص طور پر موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔اس کتاب کی تیاری میں انکا تعاون ہر پہلو سے انتہائی مفید رہا۔انکے تعاون کے بغیر اس کتاب کا منظر عام پر آنا تقریباً ناممکن تھا۔

ناشر

○.....○.....○

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

اکابر علماء کرام کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی صحیح بخاری شریف کی تشریحات ہر ایک کو آسانی سے دستیاب ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں تھی لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ ایک عام آدمی حدیث شریف کے عملی پہلو کو سمجھنے میں دِقت محسوس کرتا ہے۔ حدیث شریف کے پیغام کو سمجھنے کے بجائے اسکی نگاہ ظاہری الفاظ پر ہی رہتی ہے۔ اس طرح اسکی روزمرہ کی زندگی میں اِسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

میں نے اس کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ حدیث شریف کے مفہوم کو سادہ اُردو زبان میں بیان کر کے اس پر تفصیلی بحث اس طرز پر کی جائے کہ حدیث شریف کا اصلی مدّعا سمجھ میں آ جائے اور پھر اسکی روشنی میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کیلئے جذبہ پیدا کیا جائے۔

انسان خطا کا پُتلا ہے۔ تمام انسان خطا کار ہیں، بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے، ''**اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۲) ترجمہ ''ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت (خلافت) پیش کی۔ انہوں نے اسکے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اُٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا''۔

انسان کی تخلیق کرنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ انسان میں

جہالت پائی جاتی ہے یعنی وہ خطا ضرور کرتا ہے، کوئی کم کوئی زیادہ تو ہمیں اس بات پر سیخ پا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خطا کار ہیں۔ اگر ہم اپنی خطاؤں کو پہچان کر رَفتہ رَفتہ ایک ایک کر کے دُور کرتے جائیں تو ہم بہتر سے بہتر انسان بنتے چلے جائیں گے۔ قوم انسانوں کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ بہترین انسان بہترین قوم کو جنم دیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قوم اسی طرح بنی تھی۔ ایک حیرت انگیز قلیل مدت میں وہ انتہائی نچلی سطح سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ وہ اس درجہ کی بہترین قوم بنے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو قرآن حکیم میں ''بہترین اُمت'' کا خطاب دیا۔

''**كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۱۰) ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''۔ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی دوسری قوم کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ یہ آخری اُمت ہے لہٰذا یہ خطاب کسی اور اُمت کیلئے بھی نہیں ہوسکتا۔ انسانی تاریخ میں گزری ہوئی اُمتوں میں سے بھی یہ خطاب کسی کو نہیں دیا گیا۔

ہم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطہ سے اس اُمت کا حصہ ہیں اور ہمارے لیے بھی یہ خطاب ہے لیکن ذرا سوچیے، ہم عملی طور پر کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا اس زمانہ میں ہم اس خطاب کے لائق ہیں۔ اگر ہم بحیثیت اُمت کے ایک وقت میں سپر پاور تھے تو اب نہیں ہیں۔ ہمیں الفاظ کے ظاہری معنوں پر ہی نہیں رُک جانا چاہیے۔ اگر ہم اَب سپر پاور نہیں ہیں تو بہترین اُمت کا خطاب ہم پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ اسکو تو عمل سے ثابت کر کے دکھانا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آسمان کی بلندیوں سے گر کر تحت الثریٰ پہنچ چکے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟

ایسا اسلئے ہوا کہ ہم نے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی پیغام کو مدت دراز سے سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم ان کتابوں کی علمی بحث میں اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ انکے عملی پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آہستہ آہستہ عمل چھوڑتے چلے گئے اور اب ہمیں قرآن حکیم اور حدیث شریف کو صرف مدرسوں اور مسجدوں میں پڑھنے کی حد تک محدود رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ گو ظاہراً ہم نے اِسلام کا لبادہ پہنا ہوا ہے مگر ہمارا پورا نظامِ زندگی اصلاً غیر اِسلامی بن چکا ہے۔

اس صورتحال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔

وہ یہ کہ سب سے پہلے ہم اپنی خطاؤں کو تسلیم کرنا سیکھیں۔ پھر ان خطاؤں کو رَفتہ رَفتہ عمل کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کرتے جائیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔

اپنی خطاؤں کو نہ ماننا اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنی غلط باتوں پر اَڑے رہنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے یہ بات ہم میں بہت زیادہ حد تک موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہم پسماندہ سے پسماندہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔

جب تک ہم اپنی غلطیوں کو مان کر انکو دُور کرنے کی حکمت عملی اختیار نہیں کریں گے، ہم پسماندہ قوم ہی رہیں گے۔ اس کتاب میں میری یہی کوشش ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی نشاندہی کریں، انکو تسلیم کریں اور انکو دُور کرنے کیلئے درست حکمت عملی اپنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اسکے راستے پر اَنتھک کوشش کریں تا کہ ہم پھر ''بہترین اُمت'' کے خطاب سے سرفراز ہو جائیں۔

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

○.....○.....○

عرضِ مؤلف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہر انسان اپنی شخصیت کی ایسی نشوونما کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مستحق بن جائے۔ شخصیت کی اس نشوونما میں جو کوشش وہ کرتا ہے اور جو مشقتیں وہ اُٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسکو اَجر عطا فرماتا ہے۔ یہ اَجر اس دُنیا میں بہترین زندگی کی صورت میں ملتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے۔

شخصیت کی یہ نشوونما آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کیلئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ ایک پودے کی پرورش کیلئے رات دِن اسکی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی سے سیراب کرنا، گرمی سردی سے بچانا، جانوروں اور انسانوں سے محفوظ رکھنا، کانٹ چھانٹ کرتے رہنا، اسکے تنے اور شاخوں کے رُخ کو سیدھا رکھنے کی کوشش کرتے رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اس ساری جانفشانی کا اَجر پھر کچھ سالوں کے بعد اس کے پھل کی صورت میں ملتا ہے۔ پھل کی صحت اور لذت درخت پر کی ہوئی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ زیادہ محنت سے زیادہ صحت منداور لذیذ پھل حاصل ہوگا۔ محنت میں کوتاہی اور خامیوں کی وجہ سے یہ پودا اور اسکی شاخیں ٹیڑھے ہوسکتے ہیں اور اسکا پھل بھی صحت منداور لذیذ نہیں ہوگا۔ ایسا پھل مارکیٹ میں بہت ہی کم قیمت لاتا ہے۔ اسکے برعکس جس پودے کی پرورش محنت سے کی گئی ہو، اسکا پھل مارکیٹ میں زیادہ قیمت لائے گا۔

اگر آپ نے پودے کی بالکل ہی پرواہ نہیں کی تو وہ سوکھ جائے گا اور اس پر پھل بھی نہیں آئے گا۔ اگر کچھ آیا بھی تو انتہائی ناقص ہوگا اور مارکیٹ میں کوئی لینے کو تیار نہیں ہوگا۔

بالکل ایسی ہی مثال انسان کی ہے۔ انسان جب اپنے شجرۂ ایمان کی محنت سے

پرورش کرتا ہے تو اسکا نتیجہ صحت منداور پسندیدہ اعمال کی صورت میں نکلتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکی قیمت بڑھ چڑھ کر عطا فرماتا ہے، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اگر انسان اپنے نفس پر محنت نہیں کرتا تو اسکی پرورش اس سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہوتی ہے جس پر پھل نہیں آتا۔ اگر کچھ آتا ہے تو خریدار یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، نہ اس دُنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ ایسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں یوں فرماتا ہے، ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے'' (ابراہیم ۱۴، آیت ۱۸)۔ ایسا انسان دونوں جہانوں میں نقصان اُٹھاتا ہے۔

قوم افراد کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ اگر ہر شخص اپنے شجرۂ ایمان کو محنت سے پالے گا تو قوم بھی صحت مند ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ قیمت کی مستحق ہو جائے گی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جیسا کہ آج کل ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی قوم کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

اگر حدیثوں کے اس مجموعہ کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا معمول بنالیا جائے تو ایک صحت مند شخصیت پروان چڑھے گی اور ایک صحت مند قوم وجود میں آئے گی جیسے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ پھر آپکا یہ حق کہ ''.....اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝'' (الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۵) ترجمہ ''.....کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے'' کوئی آپ سے چھین نہیں سکے گا۔

○.....○.....○

مقدّمہ ..... جلد دوم

''وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِکَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْمُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ○''(بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۱۶)
ترجمہ ''جب ہم اِرادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کر دیں تو اسکے عیّاش لوگوں کو ڈھیل دے دیتے ہیں۔ پھر وہ ملک میں سرکشی کرتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ پھر ہم انکو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ رَبّ العزت کی حدود پر قائم رہنے والے اور دوسروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہوں نے کشتی میں قرعہ اندازی کی تو ان میں سے بعض (حدود پر قائم رہنے والے) نے اوپر کا حصہ اور بعض (حدود پر قائم نہ رہنے والے) نے نیچے والا حصہ پایا تو جو لوگ اسکے نچلے حصہ میں تھے، وہ جب پانی پینا چاہتے تو انکو بالائی حصہ والوں سے گزرنا پڑتا۔ نچلے والوں نے کہا، 'اگر ہم اپنے نچلے حصہ میں ہی سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو آسانی رہے گی۔ اگر اوپر والے انکو چھوڑے رَکھیں اور جو نچلے والوں کا ارادہ ہے، وہ کرنے دیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والے نچلے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں تو سب نجات پا جائیں گے''۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۳۳۰)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''قوم پر عذاب اس وجہ سے نہیں آتا کہ اوپر کے چند ایک لوگ گناہگار ہوں بلکہ عذاب اس وقت آتا ہے جب قوم کے اکثر افراد بے راہ ہو جائیں''۔

نوٹ: قرآن حکیم کی آیت شریفہ اور دو احادیث مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کا ایک نظام سمجھ میں آتا

ہے کہ قوم کوخراب کرنے والےلوگ وہ ہوتے ہیں جو دولت یا اقتدار کی وجہ سے عیّاش ہو جاتے ہیں۔ یہ چندلوگ پھر اپنی بدکاریاں بتدریج معاشرے کے نچلے طبقے میں پھیلا دیتے ہیں۔ جب قوم کی اکثریت بےراہ ہوجاتی ہےاوراصلاح کرنے والا بھی کوئی نہ ہو اوراستغفار کرنے والے بھی نابود ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب بھیج کر جسکی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں،اس قوم کوتباہ کردیتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کیلئے اُوپر کے لوگ مثلاً حکمران اوراسکے اہلکار، مالداراورعلماء اگرسیدھے راستے پر رہیں تو نچلے طبقے کے لوگ انکے پیچھے سیدھے راستے پر رہتے ہیں۔ اگر یہ گروہ نچلے والوں کی غلطیوں کو پکڑ کر درست کرتے رہیں اور انکو نیکی طرف مائل اور بُرائی سے ہٹانے کیلئے تدابیر کرتے رہیں تو قوم کی اکثریت سیدھے راستے پر رہتی ہے۔اگر یہ گروہ خود ہی عیّاش بن جائے اور نچلے والوں کا ہاتھ پکڑنے کی ان میں حِس ہی ختم ہوجائے تو پھر سارا معاشرہ خراب ہوجاتا ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ حکمران قرآن حکیم اورسنتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہیں،علماء بےعمل،متکبر،لالچی اورفرقہ پرست ہیں اور دولت مندوں کی اکثریت حلال وحرام کی تمیز نہیں رَکھتی لہٰذا نچلے طبقے کے لوگ انکے اسراف کو دیکھ کر خود بھی اسراف پسنداور خائن بن جاتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے کی اکثریت گمراہی کی طرف جارہی ہے۔اللہ تعالیٰ سے ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے اپنی پناہ میں رَکھے اور ہمارے حکمرانوں،علمائے سوءاور دولت مندوں کوسیدھا راستہ دکھائے (آمین)

○.....○.....○

تمہید.....علم کے بارے میں

صحیح علم کے بغیر انسان نہ تو صراطِ مستقیم تلاش کرسکتا ہے اور نہ اس پر چل سکتا ہے۔ تعلیم کو جو پذیرائی حاصل ہونی چاہیے، وہ نہیں ہے۔ ہم تمام نفسانی خواہشات میں مبتلا اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی سے رُوگرداں ہیں۔ زمانے کے علماء اور وقت کے داعی تک راہِ راست کے خلاف چل رہے ہیں۔ اس زمانہ میں کسی نے اپنی خواہشاتِ نفس کا نام اِسلام اور کسی نے قانون رَکھ لیا ہے۔

علماء نے خواہشاتِ نفس کا نام اِسلام رَکھا ہوا ہے۔ سیاسی لوگوں نے خواہشاتِ نفس کا نام قانون اور آئین رَکھا ہوا ہے۔ دونوں ہی گروہ صراطِ مستقیم سے ہزاروں میل دُور ہیں۔ عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ اِسلام کی بنیادی باتوں سے بے خبر ہیں اور عام انسانی شرافت کی قدریں غائب ہیں۔ انسانیت کا یہ **تنزّل** صحیح تعلیم اور مؤثر تربیت کے فقدان کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔

انسان کیلئے صحیح اور مفید علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایک علم امورِ دُنیا کا ہے جسکی مدد سے انسان اپنی زندگی کا ساز وسامان (متاع الحیات) حاصل کرتا ہے، اسکے بغیر زندگی کو برقرار رَکھنا ناممکن ہے۔ دوسرا علم دین کا علم ہے جسکے بغیر صحیح طریقے پر زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ دونوں علوم حاصل کرنا ضروری ہیں۔

علم دین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ**'' (مشکوٰۃ، کتاب العلم) ترجمہ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

''اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ ''(کشف المحجوب) ترجمہ ''علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے''۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ''(فاطر ۳۵، آیت ۲۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کے جو بندے علم رکھتے ہیں، وہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''.....لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ''(الصّف ۶۱، آیت ۲) ترجمہ ''کیوں کہتے ہو وہ باتیں جن پر تم عمل نہیں کرتے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک زمانہ آئے گا کہ لوگوں سے علم کھینچ لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس میں سے کوئی چیز انکے قابو میں نہیں رہے گی''۔ حضرت زیاد بن لبید ناصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم سے علم کیسے سلب ہو جائے گا جبکہ ہم قرآن حکیم پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد اور عورتوں کو پڑھاتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے زیاد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں تو تمہیں مدینہ منورہ کے دانشوروں میں شمار کرتا تھا (یعنی تم میری بات ہی نہیں سمجھے)۔ کیا یہود و نصاریٰ کے پاس تورات اور انجیل نہیں ہے لیکن انکے کس کام آتی ہیں؟'' (ترمذی، حدیث ۲۴۶۰) یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جیسے یہود و نصاریٰ بے عمل ہو چکے ہیں، اسی طرح ایک زمانہ آئے گا کہ تم بھی اپنے علم پر عمل نہیں کرو گے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ علم کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ نہ عمل کے بغیر علم نافع ہے اور نہ علم کے بغیر عمل نفع بخش ہے۔ جس علم کی پشت پر عمل موجود نہ ہو، وہ علم جہل ہی کے زمرے میں شامل ہے۔ (کشف المحجوب، باب علم) ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی عدالت سے کوئی شخص خلاصی نہ پا سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا حساب نہ لے لیا جائے۔ ان پانچ میں سے ایک یہ ہے کہ ''**وَمَا ذَا عَمِلَ فِیْ مَا عَلِمَ**'' ترجمہ ''جو علم اسکے پاس تھا، اس نے اس پر کہاں تک عمل کیا'' (مشکوٰۃ)۔

ایک اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''**اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا فِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُوْنِ**'' (کشف المحجوب، باب: علم کے بارے میں) ترجمہ ''بے سمجھ عبادت کرنے والا شخص خراس کے گدھے (کولہو کے بیل) کی مانند ہے''۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کس نیّت سے کام کر رہا ہے اور کس مقصد کیلئے کام کر رہا ہے۔

روایت ہے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ، ''اہلِ علم کون لوگ ہیں؟'' فرمایا، ''جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں''۔ پھر پوچھا کہ ''علماء کے دِل سے علم کس چیز نے نکال دیا؟'' فرمایا، ''لالچ نے'' (مشکوٰۃ)۔

کوئی فرد اور کوئی قوم علم اور عمل کے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ افسوس ناک پہلو ہے کہ ابھی تک ہماری کوئی حکومت ایسی نہیں آئی جس نے تعلیم پر وسعتِ قلبی سے توجہ دی ہو۔ ہم آزادی کے وقت ۱۹۴۷ء میں اتنے پسماندہ نہیں تھے جتنے اب ہیں۔ موجودہ زمانے میں علم دین اور علم سائنس کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ کسی ایک کو چھوڑیں گے تو پسماندہ ہوتے چلے جائیں گے اور ہماری بقا اور عزت ہمیشہ خطرے میں رہیں گے۔ دین کا علم ہمارے ملک میں بہت ہی غیر معیاری ہے۔ اسکی بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری حکومتیں قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی اہمیت سے مسلسل بے بہرہ رہی ہیں اور انکی بے اعتنائی سے مدارس کا پورا نظام ابھی تک غیر مربوط ہے اور سکولوں اور کالجوں میں قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی تعلیم بالکل مفقود ہے۔ سائنسی علوم میں جو کہ آج کل صنعتی ترقی اور دفاع کیلئے انتہائی ضروری ہیں، ہم سینکڑوں سال مغربی قوموں سے پیچھے ہیں اور انکے دستِ نگر بنے ہوئے ہیں۔

قرآن حکیم اور حدیث شریف سے اخذ کیے ہوئے زندگی کے اصول حکمت پر مبنی ہیں جن پر عمل کر کے بعض غیر مسلم قومیں ترقی یافتہ ہو چکی ہیں۔ ہم ان اصولوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے بجائے انکے خلاف کام کر رہے ہیں جسکے نتیجہ میں پسماندگی اور ذلّت کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ اگر ہم نے اس دُنیا میں اور آخرت میں عزت کی زندگی بسر کرنی ہے تو جہالت کو دُور کرنا ہوگا۔ ہر شخص کو انفرادی سطح پر اور حکومت کو حکومتی سطح پر دِل و جان سے تعلیم کی طرف توجہ دینی ہوگی۔

ہماری سیاست کا قبلہ درست نہیں ہے۔ اسکی وجہ بھی قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دُوری ہے۔ ایک مسلمان ملک میں ایک مسلمان سیاسی لیڈر کیلئے قرآن حکیم اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنیادی باتوں کا شعور رَکھنا ازبس ضروری ہے۔ موجودہ حالات اسکے برعکس عکاسی کر رہے ہیں۔

○.....○.....○

فرہنگ

حدیث نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱	امانت کا ضیاع.....قیامت کی ایک نشانی	۱
۲	نخل (کھجور کا دَرخت) اور صفاتِ مسلم	۸
۳	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عملی دَرسِ مساوات	۱۰
۴	طلبِ خیر کا جذبہ	۲۲
۵	جان، مال اور آبرو کی حفاظت حکمران کا ذمّہ	۲۶
۶	مثبت اندازِ فکر و عمل	۳۳
۷	حسد (رَشک).....صرف دو باتوں پر جائز	۳۸
۸	علم سے کون فائدہ حاصل کرتے ہیں؟	۴۳
۹	علم کا اُٹھ جانا.....قیامت کی ایک نشانی	۴۶
۱۰	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت	۴۷
۱۱	باجماعت نماز مختصر پڑھانے کا حکم	۴۸
۱۲	صدقِ دِل سے کلمہ طیبہ کا اقرار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کا ضامن	۴۹
۱۳	علم کے بغیر فتویٰ دینا گمراہی ہے	۵۰
۱۴	اُمہاتُ المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کی زندگی ہماری مستورات کیلئے مشعلِ راہ	۵۴
۱۵	قتلِ عمد کفر ہے	۵۸
۱۶	خلوصِ نیّت پر ہی نیک کام کی قبولیت ہے	۵۹

۱۷	وضو کی فضیلت	۶۱
۱۸	نماز کے انتظار کا ثواب.....نماز کے برابر	۶۲
۱۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غسل اور وضو میں پانی کی مقدار	۶۳
۲۰	ہر کام میں دائیں کی فضیلت	۶۴
۲۱	اہل خانہ کی تربیت کا بہترین طریقہ	۶۶
۲۲	تحیۃ المسجد.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مستقل سنت	۶۸
۲۳	فرشتوں کی دُعا	۶۹
۲۴	فی زمانہ مساجد میں اسراف اور رِیا	۷۰
۲۵	مسجد میں نماز کی فضیلت	۷۲
۲۶	اتحادِ اُمّت	۷۳
۲۷	ہر مسلمان سے خیر خواہی رَکھنا	۷۵
۲۸	اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل	۷۶
۲۹	نماز گناہوں کا کفارہ	۷۸
۳۰	نمازِ عصر کی فضیلت	۸۰
۳۱	نمازِ فجر اور نمازِ عصر میں فرشتوں کی تبدیلی	۸۱
۳۲	نمازِ عشاء کے بعد وقت ضائع کرنا دانشمندی نہیں	۸۳
۳۳	نماز کیلئے بھاگنے کی ممانعت	۸۵
۳۴	جوانی میں عبادت کی فضیلت	۸۷
۳۵	مسجد کی سادگی اور عبادت کا عظیم جذبہ	۸۹
۳۶	نماز میں صف بندی کی اہمیت	۹۰
۳۷	نماز کی اطمینان سے ادائیگی	۹۲
۳۸	مال سے بے رَغبتی	۹۴
۳۹	یومِ جمعہ میں غسل اور مسجد میں جلدی حاضری کی فضیلت	۹۶

۴۰	مسواک اللہ تعالیٰ کی رَضا کا سبب	۹۷
۴۱	مسجد میں مساوات	۹۸
۴۲	تہجد کی فضیلت	۹۹
۴۳	نماز میں شیطان کا وسوسہ	۱۰۱
۴۴	آخرت کے انجام سے اللہ رَبُّ العزت ہی واقف ہے	۱۰۲
۴۵	صبرِ جمیل	۱۰۵
۴۶	دُنیا کی رَغبت موجبِ خسارہ	۱۰۶
۴۷	خودکشی پر جنت حرام ہے	۱۰۸
۴۸	عذابِ قبر	۱۱۰
۴۹	پُرخلوص صدقے کی فضیلت	۱۱۲
۵۰	دِینِ اِسلام کے نفاذ کی برکات	۱۱۴
۵۱	صدقہ.....معیشت کی ترقی کا ضامن	۱۱۷
۵۲	سخی اور بخیل کا فرق	۱۱۹
۵۳	سوال سے اجتناب اور صبر کی اہمیت	۱۲۱
۵۴	اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین (۳) ناپسندیدہ باتیں	۱۲۳
۵۵	رمضان المبارک میں عمرہ کا ثواب	۱۲۵
۵۶	روزہ ڈھال ہے	۱۲۶
۵۷	اللہ تعالیٰ کے راستے میں جوڑا دینے کی فضیلت	۱۲۸
۵۸	ماہِ رمضان المبارک کی برکات	۱۳۰
۵۹	لیلۃ القدر کی فضیلت	۱۳۲
۶۰	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نصیحت	۱۳۳
۶۱	موجودہ زمانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی	

	پیشین گوئی	۱۳۵
۶۲	صلہ رحمی کی برکت	۱۳۷
۶۳	بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی	۱۳۹
۶۴	حسن معاملات میں اللہ تعالیٰ کی رَضا	۱۴۱
۶۵	انسان کے اخلاق پر صحبت کا اَثر	۱۴۲
۶۶	مصور کو تنبیہ	۱۴۴
۶۷	تین (۳) باتیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں	۱۴۶
۶۸	ہمسائے سے حسن معاشرت	۱۴۷
۶۹	تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مشترک سنّت	۱۴۸
۷۰	اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین (۳) مبغوض عمل	۱۵۰
۷۱	قرض اَدا نہ کرنے کا نقصان	۱۵۱
۷۲	خرچ کرنے کی ترغیب	۱۵۲
۷۳	قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول ظلم ہے	۱۵۴
۷۴	ہر بات میں مسلمان بھائی کی خیر خواہی	۱۵۵
۷۵	ظالم کی مدد کرنا	۱۵۷
۷۶	ظلم اندھیرا ہے	۱۵۸
۷۷	مظلوم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں	۱۶۰
۷۸	زندگی میں حقوق العباد معاف کرانے کی اہمیت	۱۶۳
۷۹	کسی کی ناحق زمین لینے کی قیامت میں سزا	۱۶۴
۸۰	اجتماعی کھانے میں مساوات	۱۶۵
۸۱	جھگڑالو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے	۱۶۷
۸۲	راستہ کے حقوق	۱۶۹
۸۳	حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تنگدستی اور	

	اس پر صبر	۱۷۱
۸۴	حکمران کے فرائض	۱۷۴
۸۵	لوگوں کو اپنے شَر سے بچانا نیکی ہے	۱۷۶
۸۶	ہمسایوں کو ہدیہ بھیجنے کی تاکید	۱۷۸
۸۷	صدقہ کرنے سے مال بڑھتا ہے	۱۷۹
۸۸	سرکاری اہلکار کا عوام سے ہدیہ لینا خیانت ہے	۱۸۱
۸۹	قرض کا اَحسن طریقے سے اَدا کرنا	۱۸۳
۹۰	چند کبیرہ گناہوں کا ذِکر	۱۸۴
۹۱	بے جا تعریف سے منع کیا گیا ہے	۱۸۸
۹۲	جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب	۱۸۹
۹۳	اذان، صفِ اوّل، نمازِ فجر اور عشاء کی فضیلت	۱۹۱
۹۴	دو مسلم گروہوں میں صلح کرانا	۱۹۳
۹۵	قدم قدم پر نیکی کرنے کی نصیحت	۱۹۵
۹۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت	۱۹۶
۹۷	اسمائے حسنیٰ کی فضیلت	۱۹۸
۹۸	کون سا صدقہ افضل ہے؟	۱۹۹
۹۹	صدقہ جاریہ	۲۰۱
۱۰۰	شہداء کی اقسام	۲۰۲
۱۰۱	اللہ تعالیٰ کے راستے میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ	۲۰۳
۱۰۲	علیہم اجمعین کی جانفشانی	۲۰۳
۱۰۳	خلوصِ نیّت کا ثواب	۲۰۶
۱۰۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت کے بارے میں دُنیا میں رغبت پر تشویش	۲۰۷

۱۰۵	دفاع پر خرچ کو اوّلین ترجیح دینے کی ترغیب	۲۱۱
۱۰۶	عورتوں کا جہاد حج ہے	۲۱۳
۱۰۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انصار سے محبت	۲۱۴
۱۰۸	ہر قدم جو نیکی کیلئے اُٹھتا ہے، صدقہ ہے	۲۱۶
۱۰۹	نیکی کیلئے جدوجہد جنّت کا راستہ ہے	۲۱۸
۱۱۰	حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین کی فضیلت	۲۲۱
۱۱۱	دفاعِ وطن کیلئے ہر شہری کی تربیت ضروری ہے	۲۲۳
۱۱۲	قرونِ اولیٰ کی مستورات کا معاشرتی زندگی میں حصہ لینا	۲۲۵
۱۱۳	.....ایضاً.....	۲۲۵
۱۱۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک ذاتی اخراجات کے بعد دفاع پر خرچ کرنا اوّلین ترجیح تھی	۲۲۸
۱۱۵	رزق (آخرت اور دُنیا کا) تیر کے سائے میں	۲۲۹
۱۱۶	ذِکر خفی افضل تر ہے ذِکر جہری سے	۲۳۰
۱۱۷	معذوری پر معمول کی عبادت چھوٹنے سے بھی اسکو اتنا ہی اَجر ملتا رہتا ہے	۲۳۲
۱۱۸	اللہ تعالیٰ کی محبت ہر رشتہ سے بالاتر ہے	۲۳۳
۱۱۹	خیانت ایک بھاری گناہ	۲۳۶
۱۲۰	دُنیا کی محبت موجبِ ہلاکت	۲۴۰
۱۲۱	احکامِ الٰہی سے رُوگرداں حکومت کمزور ہوتی ہے	۲۴۲

○.....○.....○

حدیث ا: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ مَجْلِسٍ یُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَآءَهٗ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَی السَّاعَةُ فَمَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَکَرِهَ مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَمْ یَسْمَعْ حَتّٰی اِذَا قَضٰی حَدِیْثَهٗ قَالَ اَیْنَ اُرَاهُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ هَا اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ فَقَالَ کَیْفَ اِضَاعَتُهَا قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔

(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۵۶) (دیکھیں سورۂ نساء آیت نمبر ۵۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ ہم کلام تھے کہ اچانک ایک اعرابی آیا اور پوچھا، ''قیامت کب قائم ہوگی؟'' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو میں مصروف رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے بعض نے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی بات سنی ہے اور اسے پسند نہیں فرمایا اور بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکا کلام سنا ہی نہیں حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو مکمل فرمالی تو پوچھا کہ ''وہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا، ''جی ہاں! میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب امانت ضائع کی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو''۔ اس نے عرض کیا، ''امانت کا ضیاع کیسے ہوگا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس وقت امور نااہلوں کے حوالے کیے جانے لگیں گے تو قیامت کا انتظار کرو''۔

نوٹ: ہمارے ہاں آج کل یہی ہو رہا ہے کہ منصب نااہل لوگوں کے حوالے کیے جاتے ہیں۔ میرٹ کا دَور ختم ہو چکا ہے۔ ہر جگہ سفارش، رشوت، قبیلہ، برادری، سیاسی وفاداری کی بنیاد

پر ملازمتیں دی جاتی ہیں۔ پبلک سروس کمیشن وفاقی ہو یا صوبائی، صرف ایک قلیل تعداد کو بھرتی کرتا ہے جبکہ اکثریت بغیر کسی میرٹ کے ملازمت حاصل کرتی ہے۔

حکومتی افرادی قوت کے تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ حکومت بذاتِ خود ہے جو بعض دفعہ سیاسی اور بعض دفعہ غیر سیاسی ہوتی ہے۔ دوسرا طبقہ وفاقی اور صوبائی پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد ملازمت حاصل کرتا ہے یعنی بیوروکریٹس۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو بغیر کسی امتحان کے ملازمت میں آتا ہے۔ تیسرے طبقے کے ملازمین کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

اس وقت سیاسی یا غیر سیاسی حکومت بنانے والے افراد اہلیت کی بناء پر نہیں بلکہ حالات کی بناء پر حکومت بناتے ہیں۔ اگر حکومت سیاسی ہے تو اسمبلیوں کے ممبران کی اکثریت غلط طریقوں سے جیت کر آتی ہے۔ اگر حکومت غیر سیاسی ہے تو ڈنڈے کے زور پر حکمرانی کرتے ہیں۔ دونوں گروہ ہی حکمرانی کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے نااہل رَہے ہیں۔

ایک کامیاب حکمران کی تین بنیادی خصوصیات ہیں، (۱) وہ مکمل صحت کا حامل ہوتا ہے ..... جسمانی، دماغی اور اخلاقی صحت (۲) انتظامی امور کا پورا علم اور تجربہ رکھتا ہے (۳) حکمت اسکا خاص وصف ہوتا ہے۔

کامیاب حکمران کی یہ تین صفات قرآن حکیم میں مختلف موقعوں پر درج ہیں،

''وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ'' ○

(البقرہ ۲، آیت ۲۴۷) ترجمہ ''اور بنی اسرائیل کے پیغمبر (حضرت سیموئل علیہ السلام) نے ان (بنی اسرائیل) سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر (حضرت) طالوت (علیہ السلام) کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہوسکتا ہے؟ بادشاہی کے زیادہ مستحق تو ہم ہیں کیونکہ وہ مال میں وسعت نہیں رَکھتا۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو تم پر (بادشاہت کیلئے) منتخب فرمالیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو علم

اور جسم میں تم پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، بادشاہت عطا فرماتا ہے۔ وہ وسیع علم رکھنے والا ہے''۔

قوم (یعنی بنی اسرائیل) کی سوچ تو یہ تھی کہ بادشاہت اسکو ملنی چاہیے جو سب سے زیادہ مالدار ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سوچ غلط ہے۔ حکمرانی کیلئے زیادہ اہل وہ ہے جسکے پاس انتظام کرنے کا علم ہو اور جو مکمل صحت مند ہو (یعنی جسمانی، دماغی اور اخلاقی طور پر صحت مند ہو)۔ میڈیکل سائنس اس بات پر متفق ہے کہ صحت کے تین پہلو ہیں، (۱) طبعی (جسمانی) بیماری سے پاک ہو، (۲) کوئی دماغی مرض لاحق نہ ہو، (۳) اخلاقی بیماری سے مبرّا ہو۔ اگر ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی مبتلا ہے تو اس شخص کو صحتمند نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں جسم کا مطلب یہی ہے کہ حضرت طالوت علیہ السلام تینوں طرح سے صحتمند تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے، ''**وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○**'' (ص ۳۸، آیت ۲۰) ترجمہ ''اور ہم نے انکی بادشاہی کو مستحکم کیا اور انکو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی''۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے متعلق فرمایا، ''**فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا .....**'' (الانبیاء ۲۱، آیت ۷۹) ترجمہ ''تو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم بخشا تھا.....''۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نبیوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ ہم نے انکو کتاب، علم اور حکمت عطا فرمائی۔ نبی اپنے زمانے میں قوم کا سربراہ (حکمران) ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ''**وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا .....**'' (الانبیاء ۲۱، آیت ۷۴) ترجمہ ''اور (حضرت) لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکمت * اور علم عطا فرمائے''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ**

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۶۴) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان ہی میں سے ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجے جو انکو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور انکو پاک کرتے ہیں اور کتاب (قرآن حکیم) اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ (حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) صریح (واضح) گمراہی میں تھے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہونے کے ساتھ ریاست مدینہ طیبہ کے حکمران بھی تھے۔

ان آیات مبارکہ سے ظاہر ہے کہ حکمرانی کیلئے اللہ تعالیٰ کا معیار یہ ہے کہ حکمران مکمل صحتمند (جسمانی، دماغی اور اخلاقی طور پر) ہو، انتظامی صلاحیت رکھتا ہو اور دانا (باشعور) ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر انسان جسمانی طور پر بیمار ہوگا تو وہ کام نہیں کر سکے گا۔ اگر دماغی طور پر بیمار ہوگا تو صحیح فیصلہ نہیں کر سکے گا۔ اگر اخلاقی طور پر بیمار ہوگا تو معاشرے میں بُرائی غالب کرے گا اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔

ہمارے حکمران جو بھی آتے ہیں، ان تینوں خواص سے محروم ہوتے ہیں، اسلئے بنیادی طور پر انکا نااہل ہونا انکے اپنے طرزِ حکومت سے بالکل واضح نظر آتا ہے۔ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ ملک میں ایک قیامت صغریٰ برپا ہے۔ کون سا شعبہ ہے جہاں مسائل کے انبار نہیں لگے ہوئے؟ ملک کا کون سا کونہ ہے جہاں کسی شہری کو انصاف ملتا ہے؟ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ایک مصیبت ختم نہیں ہوتی تو دوسری سر پر آن کھڑی ہوتی ہے۔ ہماری نااہلیت کی وجہ سے ہم بے شمار اندرونی اور بیرونی مسائل میں گرفتار ہیں جن کو حل کرنے کی حکمت عملی کہیں نظر نہیں آتی۔

حکومتی اداروں کا اہم جزو بیوروکریٹس ہیں۔ گو وہ مقابلے کا امتحان پاس کر کے آتے ہیں لیکن انکی صلاحیتوں سے ہماری حکومتیں پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھاتیں۔ یہاں پسند اور ناپسند کی بنیاد پر تقرریاں ہوتی ہیں اور انکی اہلیت اور خصوصی قابلیتوں کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔

حکومتی اداروں کا وہ طبقہ جو کہ عام اہلکاروں پر مشتمل ہے، سفارش، رشوت، اقربا

پروری اور سیاسی وفاداری کی بنیاد پر بھرتی ہوتا ہے۔

بیوروکریٹس اور نچلے اہلکاروں کی نااہلیت کی ذمہ داری حکومت پر آتی ہے۔ اگر حکمران خود ہی نااہل ہے تو وہ دوسروں میں اہلیت کیسے پیدا کرسکتا ہے یا ان میں موجود اہلیت سے کیسے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ہمارے حکمران قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اور شعور تو رَکھتے نہیں تو ان میں اہلیت کہاں سے آئے گی۔ علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے کہ جو قوم بھی اس پر عمل کرے گی، وہ دُنیا کی سپر پاور بن جائے گی'' (حدیث القرآن از علامہ مشرقی رحمۃ اللہ علیہ)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ مکہ مکرمہ کے گورنر سے پوچھا کہ ''تم نے ثوبان (آزاد کردہ غلام) کو جنگلات کے محکمے کا انچارج کیوں بنا دیا ہے؟'' تو گورنر نے جواب دیا کہ ''وہ قرآن حکیم کا علم رَکھتا ہے اور فرائض (ذِمّہ داری) کا جاننے والا ہے''۔ یاد رہنا چاہیے کہ تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حافظِ قرآن اور عربی زبان وادب کے ماہر تھے۔

ان تینوں طبقوں میں سے کسی کو بھی اس بات کا شعور نہیں ہے کہ منصب اور ملازمت ایک بہت بڑی امانت ہے جسکے متعلق قیامت میں پوچھا جائے گا۔

دفتروں میں جائیں تو افسر صاحب اپنے علیحدہ کمرے میں ذاتی کاموں کی سوچ میں مصروف ہوتا ہے اور عوام النّاس کی شکایات اور تجاویز سننے کیلئے اسکے پاس وقت نہیں ہوتا۔ نچلے اہلکار لوگوں کے کام رشوت اور سفارش کے بغیر کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اسکا ذاتی تجربہ ہر انسان کو روزانہ ہوتا رہتا ہے۔

ہماری مسلسل نااہل حکومتوں کی وجہ سے آج کل ہم چاروں طرف سے مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ کوئی حکومت اور کوئی ادارہ اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے کی پُرخلوص کوشش نہیں کرتا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں۔ قیامت کبریٰ تو جب آئے گی سو آئے گی، ہم قیامت صغریٰ میں مبتلا ہیں۔ حدیث شریف کا مطلب بھی یہی ہے کہ نااہل لوگ جب منصب پر ہوں گے تو وہ حالات کو قیامت جیسا بنا دیں گے۔

بیوروکریٹس اور نچلے طبقے کی نااہلی کی ذمہ داری حکومت پر آتی ہے۔ حکومت سیاسی ہو یا غیر سیاسی، یہ اسکی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے تمام اہلکاروں کی کارکردگی کو بہتر

بنائے۔جن میں صحیح اہلیت دیکھے،انکوتربیت دے کراہل تر بنائے۔جن کونااہل دیکھے،انکی چھانٹی کرے۔جس میں کرپشن دیکھے،اس کونکال باہر کرنے کے ساتھ سزا بھی دے۔ احتساب کا یہ طریقہ تمام ترقی یافتہ قوموں میں رائج رہا ہےاوراس وقت بھی رائج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک زکوٰۃ کے عامل نے کسی سے ہدیہ قبول کرلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طویل وعظ فرمایا جس میں اس بات کوناپسند کیا گیا کہ حکومت کا کوئی اہلکار کسی سے ہدیہ قبول کرے کیونکہ اس سے نظامِ عدل قائم کرنے میں خلل آتا ہے۔امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو اہلکار صحیح ڈیوٹی نہیں کرتا تھا،اس کوفوری بدل دیا جاتا تھا۔ جہاں کرپشن کا شک ہوتا تھا،فوراً سدّ باب کیا جاتا تھا۔

ملک میں نااہل حکومتیں دوطریقے سے آرہی ہیں۔ایک قوت وہ ہے جب اسکا دِل کرتا ہےتوشب خون مارکرمنتخب حکومت کوختم کردیتی ہے۔دوسری طرح کی حکومت جو الیکشن کے ذریعے آتی ہے۔دونوں ہی نااہل اور کرپٹ ثابت ہورہی ہیں۔الیکشن میں دھاندلی کا الزام تو ہمیشہ سے رہا ہے۔عام سمجھ کی بات ہے کہ جوحکومت باطلانہ طریقے سے بنتی ہے،وہ عدل کو کیسے قائم کرسکتی ہےاوراپنے اہلکاروں کی کارکردگی کوصراطِ مستقیم کی طرف کیسے گامزن کرسکتی ہے؟ وہاں تواوپر سے نیچے تک باطل ہی باطل کا راج ہوگا۔

یہ حالات ہمارے لیے انتہائی نقصان دہ ہیں۔کون نہیں جانتا کہ ہماری حکومتوں کی نااہلی کی وجہ سے ہی مشرقی پاکستان علیحدہ ہوااورانکی نااہلی کی وجہ سے ہی ہم موجودہ حالات میں دوسری قوموں کے اقتصادی اور سیاسی طور پر غلام بنے ہوئے ہیں اور وہ اعلانیہ ہماری نظریاتی اور جغرافیائی حدود پر حملے کررہی ہیں جسکا سدّ باب ہماری کوئی حکومت نہیں کرپاتی۔معاشی بدحالی بھی اسی کا نتیجہ ہے۔معاشرتی ظلم واستبداد بھی ہماری حکومتوں کی پشت پناہی سے ہی جاری وساری ہے۔ملک کا کون سا کونہ ایسا ہے جہاں کسی شہری کی جان،مال اورآبرومحفوظ ہے۔

جان،مال اورآبرو کی حفاظت حکومت کا اوّلین فرض ہوتا ہے۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی دشمن سے نبردآزما ہوتے تھےتو پہلے انکو یہ پیغام بھیجتے تھے کہ اگرتم اِسلام قبول کرلوتو ہمارےتمہارے حقوق برابر ہوں گے۔اگرنہیں تو ہمیں جزیہ دو

تو ہم تمہاری جان، مال اور آبرو کی حفاظت کریں گے۔تو وہ لوگ جو اسلام قبول نہیں کرتے تھے، وہ جزیہ دینا قبول کر لیتے تھے یا جنگ کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔حکومت جزیہ دینے والوں (یعنی ذمّی) کی مکمل طور پر جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرتی تھی۔کون کہہ سکتا ہے کہ ساٹھ سال سے ہماری جو حکومتیں آ رہی ہیں، وہ ہماری جان، مال اور آبرو کی حفاظت کر رہی ہیں۔

حکومت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک امانت ہوتی ہے۔اس امانت کو ادا کرنے کیلئے قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔اسکے بغیر فرض کی ادائیگی کا شعور پیدا نہیں ہوسکتا۔جب تک ہماری حکومتیں اپنی اہلیت ثابت نہیں کرتیں تو ہمارے لیے بے شمار اندرونی اور بیرونی خطرات پیدا ہوتے رہیں گے۔میرے نزدیک اسکا حل انقلابی بنیادوں پر تعلیم کو عام کرنا ہے اور اسکا معیار بین الاقوامی معیار کے مطابق ہو۔اسکے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔جب تک تعلیم کے ذریعے سے جس میں قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازمی شامل ہوں، ہم حقوق کی ادائیگی کا اپنے اندر شعور پیدا نہیں کر سکتے، ہماری حکومتیں اور اہلکار نااہل ہی آتے رہیں گے اور اس طرح امانت کا ضیاع مسلسل ہوتا رہے گا۔

○.....○.....○

حدیث ۲: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَۃً لَا یَسْقُطُ وَرَقُھَا وَاَنَّھَا مِثْلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْنِیْ مَا ھِیَ قَالَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَوَادِیْ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا وَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ اَنَّھَا النَّخْلَۃُ فَاسْتَحْیَیْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا ھِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ ھِیَ النَخْلَۃُ ۔(تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''درختوں میں سے ایک درخت ہے جسکے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟'' لوگ جنگل کے درختوں کے متعلق سوچنے لگے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''میرے دِل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور ہی ہوگی مگر میں حیاء کرتا رہا (یعنی شرماتا رہا)''۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی فرمادیں کہ وہ کون سا درخت ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''وہ کھجور کا درخت ہے''۔

نوٹ: کھجور کی چند ایک خصوصیات ہیں جو دوسرے پھل دار درختوں میں نہیں ملتیں۔ اس پر خزاں نہیں آتی، پھل دار درختوں میں یہ بلند ترین درخت ہے، اسکی جڑیں باقیوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں اور اسکا تنا بالکل سیدھا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان پر خزاں نہیں آنی چاہیے، وہ ہمیشہ اپنے ایمان کو تروتازہ رَکھے۔ ظاہر بات ہے کہ کھجور کا درخت جیسے باقی درخت ہیں، محنت طلب ہے۔ اگر پانی، کھاد اور عام دیکھ بھال سے اس پر محنت نہیں کی جائے گی تو اسکی صحت اور پھل ناقص ہوں گے۔ اسی طرح مسلمان اگر اپنے ایمان پر محنت نہیں کرے گا اور اپنے ایمان کی دیکھ بھال میں کوتاہی کرے گا تو اسکا ایمان بھی کمزور پڑ جائے گا۔

کھجور کا پھل باقی تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت لیے ہوئے ہے۔ اس میں ہمارے لیے اشارہ یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان مکمل ہونا چاہیے تا کہ وہ دوسرے انسانوں کو پوری ایمانی غذائیت فراہم کر سکے۔ اگر ایمان کم درجے کا ہوگا تو دوسرے انسانوں کو فائدہ بھی کم ملے گا جیسے خشک کھجور انسان کو وہ تقویت نہیں دیتی جو کہ صحتمند اور تر کھجور دے سکتی ہے

کھجور کے درخت کی بلندی سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مسلمان غیر مسلموں سے اپنے ایمان اور اخلاق کی بنا پر بلند ترین مقام پر رَہے۔ اسی طرح مسلمان قوم بھی باقی تمام قوموں سے اپنے ایمان، اخلاق اور عدل میں بلند ترین ہونی چاہیے۔ دیکھا گیا ہے کہ کھجور کا تنا بالکل سیدھا جاتا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مسلمان کو ہمیشہ صراطِ مستقیم پر رہنا چاہیے۔

اسکی جڑیں بہت مضبوط ہوتی ہیں اور موسم کے تغیر وتبدل سے متاثر نہیں ہوتیں۔ تیز طوفان بھی کھجور کے درخت کو اُکھاڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی اپنے ایمان پر اتنا ثابت قدم رَہے کہ غیروں کی مخالفت خواہ وہ طوفان سے زیادہ سخت ہو، اسکو نقصان نہ پہنچا سکے۔

○.....○.....○

حدیث ۳: عَنْ اَنَسَ ابْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَحْنُ جُلُوْس'' مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ'' عَلَی جَمَلٍ فَاَنَاخَہ' فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَہ' ثُمَّ قَالَ لَھُمْ اَیُّکُمْ مُحَمَّد'' وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مُتَّکِیٔ'' بَیْنَ ظَھْرَ اَنَیھِمْ فَقُلْنَا ھٰذَا الرَّجُلُ الْاَبْیَضُ الْمُتَّکِیُٔ فَقَالَ لَہ' الرَجُلُ یَاابْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَہ' النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَبْتُکَ فَقَالَ لَہ' الرَجُلُ اِنِّیْ سَائِلُکَ فَمُشَدِّد'' عَلَیْکَ فِیْ الْمَسْأَلَۃِ فَلَا تَجِدْ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِکَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَالَکَ فَقَالَ اَسْأَلُکَ بِرَبِّکَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَکَ آللّٰہُ اَرْسَلَکَ اِلَی النَّاسِ کُلِّھِمْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَنْشُدُکَ بِاللّٰہِ آللّٰہُ اَمَرَکَ اَنْ تُصَلِّیَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِیْ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ قَالَ اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَنْشُدُکَ بِاللّٰہِ آللّٰہُ اَمَرَکَ اَنْ تَصُوْمَ ھٰذَا الشَّھْرَ مِنَ السَّنَۃِ قَالَ اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَنْشُدُکَ بِاللّٰہِ آللّٰہُ اَمَرَکَ اَنْ تَأْخُذَ ھٰذِہِ الصَّدَقَۃَ مِنْ اَغْنِیَائِنَا فَتَقْسِمُھَا عَلٰی فُقَرَائِنَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَجُلُ اٰمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِہٖ وَاَنَا رَسُوْلُ مُنْ وَّرَائِیْ مِنْ قَوْمِیْ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۶۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر آیا اور اسکو مسجد میں بٹھا دیا پھر اسکا گھٹنا باندھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا،''تم میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون ہے؟'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکیہ لگائے ان میں بیٹھے تھے۔ہم نے کہا'' یہ صاف گورے رنگ

والے جوتکیہ لگائے بیٹھے ہیں''۔اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی، ''اے عبدالمطلب کے بیٹے!'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''میں سن رہا ہوں''۔اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی کہ''میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ پوچھنے والا ہوں اور سختی سے پوچھوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دِل میں مجھ پر ناراض نہ ہوں''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''جو تیرا دل چاہے، پوچھ''۔ اس نے عرض کیا''میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رَبّ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہلے لوگوں کے رَبّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔کیا اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''ہاں''۔اس نے پھر عرض کیا''میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رَبّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔کیا اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو حکم دیا ہے کہ ہم ایک دِن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھیں؟''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''ہاں''۔اس نے پھر عرض کیا''میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے رَبّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔کیا اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو حکم فرمایا ہے کہ ہم سال میں ایک ماہ کے روزے رکھیں؟''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''ہاں''۔اس نے پھر عرض کیا،''میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو حکم دیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہمارے دولت مندوں سے زکوٰۃ لیں اور ہمارے فقراء میں تقسیم کر دیں؟''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہاں''۔اس شخص نے عرض کیا''جو شریعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لائے ہیں، اس پر میں ایمان لایا اور میں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قاصد ہوں جنہوں نے مجھے بھیجا ہے اور میں ضمام بن ثعلبہ بنی سعد بن بکر کا بھائی ہوں''۔

نوٹ: نو وارد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ پہچاننا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع میں باقی تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح بغیر کسی امتیازی لباس اور امتیازی مسند کے تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بے تکلفانہ اندازِ گفتگو اور بیٹھنے کا طریقہ ایسے تھے کہ جن میں کوئی امتیازی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ پوری مجلس مساوات کا ایک مکمل نمونہ تھی۔ اس واقعہ سے مساوات کا مکمل نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے جسکی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیتے تھے۔ حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اتنا بلند ہے کہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ اس ساری زمین کے بادشاہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** '' ۝ ''(آلِ عمران ۳، آیت ۱۸۹) ترجمہ ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانوں اور زمین کے بادشاہ کی طرف سے نامزد ہو کر دُنیا کے بادشاہ بن کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ِۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ**..... ۝ ''(الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اعلان کر دو کہ اے لوگو! میں تم سب (دُنیا کے تمام انسانوں اور ملکوں کی طرف قیامت تک) کیلئے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں۔ اس ذات کی طرف سے جو کہ آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے.....''۔

یہاں ذرا غور کریں کہ ساری زمین کا بادشاہ اپنے غریب ترین رعایا کے ساتھ ایسا گھل مل کر بیٹھتا ہے، مساوات کا وہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اجنبی کیلئے یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں بادشاہِ حقیقی کون ہے۔ تاریخ میں ایسی ہی مساوات کا نمونہ ہمیں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دَورِ حکومت میں ملتا ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ امیر المؤمنین (صدرِ ریاست) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فلسطین کی فتح پر وہاں گئے تو اس مساوات کا نمونہ ساری دُنیا نے دیکھا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام اونٹ پر سوار ہے اور امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہار پکڑے آگے آگے چل رہے ہیں۔ جب سفر شروع کیا تھا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے

غلام سے فرمایا تھا کہ ایک منزل تم اونٹ پر سوار ہو گے اور میں پیدل چلوں گا اور دوسری منزل میں اونٹ پر سوار ہوں گا اور تم پیدل چلو گے۔ مساوات کا یہ نمونہ اس حکمران کا ہے جسکے دبدبے سے قیصر و کسریٰ کے محلات کانپتے تھے۔

ہمارا انداز کیا ہے؟ مسندیں امتیازی ہیں، لباس حسین و جمیل ہے، نماز کیلئے خوبصورت ترین جائے نماز ہے، دوسروں کی طرف سخت ترش نگاہیں ہیں، طلبہ کے ساتھ اپنا رُعب بٹھانے کیلئے مار پیٹ کا معمول ہے، ہر جگہ امتیازی سلوک کی توقع رکھتے ہیں، یہ تو ہے مسجد کے ماحول کا نقشہ۔

جہاں تک ہمارے اربابِ اختیار کا رویّہ ہے، انکے پاؤں تو زمین پر ٹکتے ہی نہیں ہیں۔ گردنیں اکڑی ہوئی، ناک لمبی (اونچی)، گال پھلائے ہوئے، آنکھیں ماتھے پر رکھی ہوئی، کسی کو خاطر میں لانا بہت ہی ناگوار گزرتا ہے، یہ ہے نقشہ ہمارے اربابِ اختیار کا جو اختیار کے قابل نہیں تھے لیکن زبردستی انہوں نے اقتدار کو اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔

ان حالات میں نہ تو مساوات مسجد میں قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی معاشرے میں۔ دونوں مقام کے رہنما جب خود ہی غیر مساویانہ رویّہ رکھتے ہوں تو معاشرے میں مساویانہ رویّہ کہاں سے پیدا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر مساوات کو قائم فرمایا کیونکہ یہ عدل کی بنیاد ہے جس کیلئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ'' شَدِيْدٌ'' وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ'' عَزِيْزٌ'' ۝**'' (الحدید ۵۷، آیت ۲۵) ترجمہ ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں اور ترازو (**یعنی قواعد عدل**) نازل کیے تاکہ **لوگ عدل و انصاف پر قائم** رہیں اور لوہا پیدا فرمایا۔ اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں اور اسلئے کہ جو لوگ بن دیکھے خدا اور اسکے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں، خدا انکو معلوم کر لے۔ بے شک خدا قوی اور غالب ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مساوات قائم رکھو، آپس میں اختلاف نہ آنے

دوورنہ دِلوں میں انتشار پیدا ہوجائے گا''۔تمام افراد کے بنیادی حقوق برابر ہوتے ہیں۔ مساوات قائم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قدم پر خود عمل کر کے دکھایا اور اس نکتہ سے سارے معاشرے پر آخری دَم تک نظر رَکھی۔مشہور ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خوبصورت مکان بنایا جسکو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اِظہار فرمایا۔اس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کو بھانپ کر اپنا نیا بنایا ہوا مکان گرادیا اور جیسے محلے کے دوسرے مکانات تھے،اسی طرز کا دوبارہ تعمیر کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی دُور ہوئی (سنن ابن ماجہ)۔

روزمرہ کی زندگی میں چھوٹی بڑی باتوں میں معاشرے میں اگر مساوات کا شعور پیدا ہو جائے تو بڑے بڑے معاملات میں یہ شعور عدل کو قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''اگر میں ریاض الجنّۃ کی فضیلت تمہیں بتادوں تو مجھے قرعہ اندازی کرنی پڑے''۔اسکا مطلب یہ تھا کہ فضیلت معلوم ہونے پر لوگوں کی بھیڑ اتنی زیادہ ہوجائے گی کہ وہ جگہ کیلئے ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کریں گے۔اس جگہ پر چونکہ سب کا حق برابر ہے،اسلئے قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ پہلے کس کا حق بنتا ہے اور بعد میں کس کا اور ہر آدمی اپنی باری کا انتظار کرے گا پھر لڑائی جھگڑے کی صورت باقی نہیں رہے گی لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسی جگہ پر عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں ہر شخص ایک دوسرے کا حق مار کر اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی اس بدانتظامی اور غیر مساویانہ رویوں کو روکنے کیلئے تیار نہیں ہے۔یہی حال **حجرِ اسود** پر ہے۔ ہر طاقتور آدمی دوسرے کو دھکا دے کر اپنی جگہ بنالیتا ہے اور یہ بالکل کعبۃ اللہ شریف میں ہورہا ہے جو کہ خالق کائنات کا گھر ہے۔اگر ہم ان جگہوں پر مساوات رَکھنے کا شعور نہیں رَکھتے تو ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں مساوات قائم کرنے کا شعور کہاں سے لائیں گے۔

اسکے برعکس ترقی یافتہ ملکوں میں دیکھا گیا ہے کہ بھیڑ تھوڑی ہو یا زیادہ، ہر کوئی قطار میں لگ جاتا ہے اور اپنی باری کا انتظار کرتا ہے خواہ اسے گھنٹوں انتظار کرنا پڑے۔ ان میں بھی یہ شعور از خود نہیں آیا بلکہ حکومت کی انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے قوم میں یہ

شعور پیدا ہوا ہے۔ ہماری حکومتیں یا ہمارے علمائے کرام ہر جگہ وی آئی پی بن کر مساوات کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں اور پھر یہ طریقہ نیچے تک کارفرما ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف پڑھنے کیلئے نہیں ہیں بلکہ ان پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ **علم عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔**

مساوات ڈسپلن سے پیدا ہوتی ہے اور ڈسپلن مساوات سے پیدا ہوتا ہے۔ اسکا شعور پیدا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن حکومت کا اپنا حال یہ ہے کہ سب سے زیادہ ڈسپلن کو توڑنے والے خود حکومت کے اہلکار ہی ہوتے ہیں۔ فرد اور قوم کی ترقی میں ڈسپلن انتہائی ضروری ہے، اسکے بغیر کوئی قوم نہ عدل قائم کر سکتی ہے اور نہ ہی ترقی کے زینے پر چڑھ سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے تمام سیاسی گروہوں میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسی حالت میں عدل کا قیام ناممکن ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ **عدل کے بغیر ملک کی بقا ہمیشہ خطرے میں رہے گی۔**

اگر خلوص، خشوع (انتہائی توجہ اور انہماک) اور جذبہ سے یہ چاروں عبادتیں جو اس حدیث شریف میں بیان فرمائی گئی ہیں، ایمان کے ساتھ بجالائی جائیں تو یہ پورے دِین کی عمارت کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں۔ دِین اِسلام کی بنیاد ان پانچ باتوں پر ہے۔ اگر ہم خلوص سے ان عبادات کو ادا کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری سیدھے راستے کی طرف ہمیں رہنمائی فرمائے گا اور ہمارے روزمرہ کے مسائل گھمبیر ہونے کے بجائے حل ہوتے چلے جائیں گے اور ہدایت کی نئی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ اگر عبادات روح سے خالی ہوں گی تو لازمی بات ہے کہ زندگی کے مسائل میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا آنا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا اور ہماری زندگی دَراصل غیر اِسلامی ہوگی گو ظاہراً ہم اِسلامی رسومات اَدا کر رہے ہوں گے۔

ان عبادات کی ادائیگی **آج کل روح سے خالی ہے**، اسلئے ہماری زندگی میں انفرادی اور قومی سطح پر کوئی مثبت نتائج رونما نہیں ہو رَہے۔

نظامِ صلوٰۃ ایک ایسا نظام ہے جو ہر بُرائی سے روکنے کی صلاحیت رَکھتا ہے اور ہر اچھے کام کی رَغبت دیتا ہے۔ اگر ہماری نماز ہمیں ناپسندیدہ کاموں سے نہیں روکتی اور پسندیدہ کاموں کی طرف ہمیں راغب نہیں کرتی تو ہماری نماز روح سے خالی ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ'' (العنکبوت ۲۹، آیت ۴۵) ترجمہ ''یقیناً نماز بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے''۔ یہ ہماری نماز کی کسوٹی ہے۔ اگر ہماری نماز اس کسوٹی پر پوری اُترتی ہے تو نماز صحیح ہے ورنہ نہیں۔

میرا مشاہدہ ہے کہ لوگ نماز کیلئے آتے ہیں اور اپنی گاڑی دوسری گاڑی کے پیچھے کھڑی کر جاتے ہیں اور اس آدمی کو گاڑی نکالنے میں دِقّت ہوتی ہے۔ کیا یہ پسندیدہ حرکت ہے؟ نماز سے فارغ ہو کر بسا اوقات اگر موقع ملے تو سرخ بتی میں سے گزر جاتے ہیں۔ کیا یہ صحیح بات ہے؟

میں ۱۹۸۰ء میں ویانا یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ ایک روز ہم چند دوست ویانا کی اکلوتی مسجد میں نمازِ جمعہ کیلئے گئے۔ یہ مسجد یونیورسٹی سے کافی دُور تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسجد بند ہے اور دو چوکیدار کتوں کے ساتھ مسجد کی حفاظت کیلئے پہرہ دے رہے ہیں۔ پوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ مسجد پچھلے ہفتہ سے بند ہے کیونکہ دو گروہوں کے درمیان مسجد میں سخت لڑائی جھگڑا ہوا تو گورنمنٹ نے فی الحال مسجد مکمل طور پر بند کر دی ہے۔ کیا ہماری نماز مسجد میں لڑائی جھگڑا کرنا سکھاتی ہے؟

۱۹۸۹ء کی بات ہے، میں مانچسٹر میں رہائش پذیر تھا۔ ایک جمعہ ہسپتال سے چھٹی تھی تو میں جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے ایک قریبی مسجد میں گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر جب میں باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے احاطہ میں گاڑیاں اس طرح آگے پیچھے کھڑی ہیں کہ گاڑی نکالنا مشکل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنی اُمت کی حالت زار پر سخت رنج ہوا۔ وہ ڈرائیور جو یو کے کی سڑکوں پر ڈسپلن سے ڈرائیونگ کر رہا ہے، یکدم مسجد میں آ کر اس ڈسپلن کا لبادہ یوں پھینک دیتا ہے گویا کہ ایک بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ دُنیا میں کسی قوم کی کوئی عبادت اتنا ڈسپلن سکھانے والی نہیں ہے جتنا اُمت مسلمہ کو نظامِ صلوۃ ڈسپلن سکھا سکتا ہے۔ ذرا غور کیجئے وضو، مسجد میں داخلہ، اذان، اقامت، نماز باجماعت یہ سب ایسے مربوط نظام میں منسلک ہیں کہ اگر انسان ذرا سے دھیان سے بھی چند ہفتے پابندی کے ساتھ اس تربیت

سے گزرے تو وہ ایسا ڈسپلن حاصل کرسکتا ہے کہ ہماری صفیں ایک سیسہ پلائی دیوار بن جائیں لیکن ہم سالہا سال سے اس نظامِ صلوۃ پر عمل پیرا رہتے ہیں مگر ذرا بھی ہماری صفوں میں ڈسپلن نہیں آتا۔نماز کی اس کسوٹی کے پیمانے سے تو ہم بےنمازی ہی تصور کیے جاسکتے ہیں۔شاعرِ مشرق نے فرمایا:

؎ مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

یہاں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس نمازی کا گلہ شکوہ کررہے ہیں جو نماز تو پڑھتا ہے لیکن اس سے کچھ سیکھتا نہیں۔

۲۰۰۵ء کی بات ہے کہ میں ایک ہوٹل کے مالک جو کہ میرا دوست ہے، کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔وہ مجھے کہنے لگا کہ ہمارے علاقے کا تھانیدار میرے پاس آیا تھا۔وہ پکا نمازی ہے۔آپ اسکو جانتے ہوں گے۔میں نے کہا کہ میں اسکو پہچانتا نہیں ہوں لیکن بتائیں کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ اس نے مجھ پر جھوٹا مقدمہ بنادیا ہے۔میں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے کہ چند روز پہلے میرے پاس آیا کہ میری گاڑی میں پٹرول ڈلوادو۔میں نے معذرت کی کہ اس وقت گنجائش نہیں ہے۔کل اس نے جھوٹا مقدمہ بنا کر مجھے تھانے بلالیا۔میں نے حیرانگی سے پوچھا کہ کیا وہ واقعی نمازی ہے؟ کہنے لگا، ہاں ہاں! وہ پکا نمازی ہے۔یہ ہے ہماری آج کل کی نماز جو کہ روح سے سراسر خالی ہے۔ایک رسم ہے جو ہم اَدا کرتے جارہے ہیں۔حکیم الاُمت نے فرمایا:

؎ رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

وضو سے لے کر اختتامِ نماز تک ہر نماز میں سوائے رسمی ادائیگی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اگر ہم صرف ایک ہی آیت پر توجہ دے لیں تو ہماری ساری زندگی بدل سکتی ہے۔وہ سورۂ فاتحہ کی یہ آیت ہے، ''**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝**'' ترجمہ ''(اے اللہ تعالیٰ!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا''۔اگر ہم اس دُعا کو پوری توجہ سے اور دِل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو لازمی بات ہے کہ ہمیں زندگی کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ

سیدھا راستہ دکھاتا چلا جائے گا لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ زبان پر تو یہ آیت ہوتی ہے لیکن دِل کسی اور جگہ ہوتا ہے۔ یہ آیت سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امامت میں منافقین بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ ان کے دِل زبان کا ساتھ نہیں دیتے تھے، اس لئے وہ ہدایت سے محروم رَہے۔ اگر ہم بھی صرف الفاظ ہی پڑھتے جائیں گے اور دِل سے ''صِـــرَاطِ مُسْتَـقِیْـم'' ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ہم بھی ہدایت سے دُور ہوتے جائیں گے۔

نماز تو ایک عظیم عمل ہے۔ اسکی فضیلتوں کا بیان کرنا میرے قلم کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک ہر مرد اور عورت پر خواہ وہ کسی دین سے تعلق رَکھتا ہو، فرض ہے۔ یہ دَراصل انسان کی پوری زندگی کا محور ہے۔ جب محور درست ہوتا ہے تو پورا وجود درست ہو جاتا ہے۔ اگر محور درست نہیں ہوگا تو وہ چیز ایک یا دوسری طرف ڈھلک جائے گی اور بالآخر تباہ ہو جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' یعنی جتنا سکون مجھے نماز سے ملتا ہے، اتنا کسی دوسری عبادت سے نہیں ملتا اور جتنی خوشی مجھے کسی کو نماز پڑھتے دیکھ کر ہوتی ہے، کسی اور عبادت سے نہیں ہوتی۔ ایک اور حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''نماز مؤمن کی معراج ہے'' یعنی جیسے میں نے معراج میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو کی، مؤمن نماز میں اللہ تعالیٰ سے اسی طرح گفتگو کرتا ہے اور یہ کہ وہ نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے اتنا ہی قریب ہو جاتا ہے جتنا کہ میں معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے قریب تھا اور یہ کہ نماز ایک ایسا عمل ہے کہ اگر انسان اسکو انتہائی خشوع وخضوع (توجہ) سے ادا کرتا رہے اور اسکے پیغامات کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہے تو یہ انسان کو انسانیت کی بلندترین سطح پر لے جاتی ہے۔

بلندترین سطح کا حصول کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تو اللہ رَبّ العزت کے ساتھ مناجات کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''نماز اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ مناجات ہیں''۔ (ترمذی)

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، 'میں نے نماز کو اپنے اور بندے

کے مابین آدھا آدھا تقسیم کر رکھا ہے۔ بندہ جو سوال کرتا ہے، وہ اسے عطا کر دیا جاتا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے،'اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ 'تو اللہ تعالیٰ جواباً فرماتا ہے،'میرے بندے نے میری تعریف کی'۔ پس جو میرے بندے نے مانگا، وہ عطا کیا جائے گا۔ جب بندہ کہتا ہے،'اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ 'تو جواباً ارشادِ خداوندی ہوتا ہے، 'میرے بندے نے میری ثناء بیان کی'۔ پس جو اس نے مانگا، وہ عطا کیا جائے گا۔ جب بندہ کہتا ہے،'مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ 'تو اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے،'میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، یہ میرے ہی لیے ہے اور یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے'۔ اور جب بندہ کہتا ہے،'اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ ○ 'تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے،'یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے'۔ بندہ جو سوال کرتا ہے، وہ اسے عطا کیا جائے گا اور جب بندہ کہتا ہے، 'اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ 'تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،'یہ میرے بندے کیلئے ہے اور بندہ جو سوال کر رہا ہے، وہ اسے عطا کیا جائے گا''۔

اسی طرح ساری نماز میں اللہ تعالیٰ اور اسکے بندے کے درمیان مکالمہ جاری رہتا ہے۔ نمازی جتنے شوق، انہماک اور جذبہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں مصروف رہتا ہے، اتنے ہی شوق، انہماک اور جذبہ سے اللہ تعالیٰ کا ردّعمل ہوتا ہے۔ جو نماز شوق اور جذبہ سے خالی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ردّعمل سے بھی خالی ہوتی ہے۔

جس درجہ کا جذبہ وخشوع ہوگا، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ردّعمل ہوگا۔

سنن ابو داؤد میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ''انسان نماز ادا کر کے واپس ہوتا ہے تو اسکو نماز کا ثواب کبھی دسواں، کبھی نواں، کبھی آٹھواں، کبھی ساتواں، کبھی چھٹا یا پانچواں، کبھی چوتھا یا تیسرا یا کبھی آدھا حصہ ملتا ہے'' (سنن داؤد، جلد اوّل، حدیث ۷۸۱)

حدیث جبرئیل میں حضرت جبرئیل علیہ السلام پوچھتے ہیں،''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احسان کیا ہے؟ **یعنی خوبصورت ترین عبادت کیسے کی جاتی**

ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی مثال دے کر حاضرین مجلس یعنی صحابہ کرام رضوان للہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یوں سمجھاتے ہیں۔فرمایا،''ایسے نماز پڑھو کہ **تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو**۔اگر یہ ممکن نہیں ہے تو اس یقین کے ساتھ پڑھو کہ **اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے**'' (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان) لہٰذا نماز اور اسی طرح دوسری عبادات کے معیار کو بلند کرنے کا یہ ایک **بہترین نسخہ** ہے کہ انسان اس بات پر یقین رَکھے کہ اللہ تعالیٰ اسکے سامنے موجود ہے اور وہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے گو ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے۔مشکوٰۃ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے،''بہترین نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو'' (مشکوٰۃ، باب صفات نماز، حدیث ۷۴۴)۔لمبا قیام ہمیں موقع فراہم کرتا ہے کہ دیر تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل رہے۔اگر ہم اس بات پر یقین کر لیں کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرنا ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن حکیم کی وہ آیات پڑھیں جن میں اللہ تعالیٰ کی **تعریف** کے ساتھ اسکی **مغفرت** اور دُنیا و آخرت کی **نعمتیں** مذکور ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ ہماری بخشش کو آسان بنا دے اور ہمیں دُنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بغیر کسی غور و فکر کے قرآن حکیم کی آیات تلاوت کر جاتے ہیں اور موقع محل کا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے جذباتی لگاؤ کا بالکل دھیان نہیں کرتے۔ اس طرح گو ہم نماز کا فرض تو ادا کر دیتے ہیں لیکن ہماری نماز روح سے خالی رہتی ہے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کیلئے کیوں بلایا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع انسان کو اپنے دربار میں حاضری کا دیا ہے کہ **وہ جو چاہے مانگے، اسکو دیا جائے گا** لیکن اگر فقیر اور غنی کے درمیان مقناطیسی کشش نہیں ہوگی تو نتائج برآمد کیسے ہوں گے۔مانگنے کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ہم جو مانگتے ہیں، اس پر عملی طور پر جدوجہد کریں لیکن ہم نماز سے فارغ ہو کر جو کہ اکثر اوقات اس مقناطیسی جذبہ سے خالی ہوتی ہے، عمل میں سستی کر جاتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا نزول رُک جاتا ہے۔

اگر ہم نماز کو پورے جذبے سے اَدا کریں تو یہ انسان کی شخصیت میں ایسی تربیت پیدا کر دیتی ہے جس سے انسان کو نیکی پر چلنا اور بُرائی سے رُک جانا آسان ہو جاتا ہے۔

اگر ہمارا یہ مقصد پورا نہیں ہو رہا تو ہمیں اپنی نماز کے معیار کو بلند کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

نماز میں حاصل کی گئی تربیت (ٹریننگ) زندگی کے باقی تمام شعبوں میں صراطِ مستقیم پر چلنے میں مدد دیتی ہے۔

یہی اصول باقی عبادات کا ہے۔ اگر ہم باقی عبادات کو بھی انکی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تربیت کریں گے تو ان عبادات کے مقاصد بھی حاصل ہو جائیں گے اور فرض بھی ادا ہو جائے گا۔ اگر ہم صرف ظاہری فرض کو اَدا کرنے پر ہی رہے اور اسکی روح سے بےفکر ہو جائیں تو کوئی عبادت بھی ہماری حالت کو نہیں بدل سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''میں کسی قوم (اور فرد) کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپکو نہیں بدلتی''۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، ''**لَـهٗ مُـعَقِّبٰت'' مِّنۡۢ بَيۡـنِ يَدَيۡهِ وَمِـنۡ خَـلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُـغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰـهُ بِـقَوۡمٍ سُـوۡٓءًا فَـلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَـا لَهُـمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ۝**'' (الرعد۱۳، آیت۱۱) ترجمہ ''ہر ایک کیلئے فرشتے ہیں، آگے اور پیچھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم جب تک خود اپنی حالت نہ بدلے، اللہ تعالیٰ اس کی حالت نہیں بدلتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کر لے تو اسکے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انکا مددگار نہیں ہوتا''۔

اگر ہم اپنی نمازوں سے زندگی کے زرّیں اصول نہیں سیکھتے تو ہماری نمازیں بے جان ہیں اور ہماری دینی اور دُنیاوی ترقی مفقود ہے۔ اسی طرح باقی عبادات میں بھی جب تک خلوص اور جذبہ کارفرما نہیں ہوگا، ہم ان سے پوری طرح مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں خلوص اور جذبہ سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

○.....○.....○

حدیث ۴: عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا ھُوَ جَالِس'' فِی الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَہٗ اِذْا اَقْبَلَ ثَلٰثَۃ'' نَفَرٍ فَاَقْبَلَ اِثْنَانِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَذَھَبَ وَاحِد'' قَالَ فَوَقَفَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَاَمَّآ اَحَدُھُمَا فَرَئٰ فُرْجَۃً فِی الْحَلْقَۃِ فَجَلَسَ فِیْھَا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَھُمْ وَاَمَّا الثَّالِثُ فَاَدْبَرَ ذَاھِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَلٰثَۃِ اَمَّآ اَحَدُھُمْ فَاٰوٰی اِلَی اللّٰہِ فَاٰوَاہُ اللّٰہُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْیٰی اللّٰہُ مِنْہُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ اللّٰہُ عَنْہُ۔
(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۶۴)

ترجمہ : حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں لوگوں کے ساتھ تشریف رَکھتے تھے۔ اچانک تین شخص آئے۔ دوتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ گئے اور ایک چلا گیا۔ ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کچھ دیر کھڑے رَہے۔ پھران میں سے ایک نے حلقہ میں خالی جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا سب سے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا، ''میں تمہیں ان تین شخصوں کا حال نہ بتاؤں۔ ان میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ عطا فرما دی۔ دوسرے نے حیا (شرم) محسوس کی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیا (شرم) فرمائی اور تیسرے نے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا''۔

نوٹ: ان تینوں آدمیوں کا رویّہ مختلف تھا۔ پہلا شخص شوق اور جذبہ رَکھتا ہے اور ہمت سے کام لے کر مجمع میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے جذبے کی قدر کرتے ہوئے مدد فرماتا ہے اور اسکے لیے لوگوں کے دِل نرم فرما دیتا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہاں اس کا شوق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے پیغام کو سننے میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف چلے یعنی اس کی مدد فرمائی۔

سنن ابن ماجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''جو میرے قریب ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کے قریب ایک ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جو میرے قریب ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اس کے قریب ایک باع (گز) ہو جاتا ہوں۔ جو میری جانب آہستہ آہستہ آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر جاتا ہوں'' (سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۶۱۶)

اس میں ہمارے لیے رہنمائی یہ ہے کہ ہم جذبے کی جس شدت سے اچھے کام کریں گے اور بُرے کاموں سے رُکنے کی کوشش کریں گے، اس سے زیادہ شدت سے اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمانے کیلئے آتا ہے۔

دوسرے شخص نے سستی دکھائی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی مدد روک لی اور لوگوں نے اسکے لیے کوئی جگہ نہیں بنائی۔ وہ شرماتا رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونے سے محروم رہا۔ اس نے مجمع کے آخر میں ہی بیٹھنا پسند کیا۔ جب اس نے ہمت سے کام نہیں لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسکو ہمت عطا نہیں فرمائی۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں ..... راہ دکھلائیں کسے؟ کوئی رہروِ منزل ہی نہیں
(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

تیسرے شخص میں اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے کا شوق اور جذبہ ہی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسکی مدد کرنا گوارا نہ فرمایا اور شیطان کے ورغلانے پر وہ اللہ تعالیٰ کی مجلس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ انکو شیطان کے حوالے فرما دیتا ہے ''**وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَه' شَيْطٰنًا فَهُوَ لَـه' قَـرِيْن**'' ○ ''(الزخرف ۴۳، آیت ۳۶) ترجمہ ''جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط فرما دیتا ہے پھر وہ اسکا دوست بن جاتا ہے''۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعظ کو جو کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تھا، سننا پسند نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو اسکے شیطان کے حوالے فرما دیا تو وہ شیطان اسکو وہاں سے لے بھاگا۔

اس حدیث شریف سے ایک Universal Truth یعنی اَبدی سچائی کا

قانون آشکارا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تم جس جذبے سے آؤ گے، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ جذبے کے ساتھ تمہاری طرف آئے گا۔ اگر تم خود ہمت نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں ہمت نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت نہیں بدلتی۔'' **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط ○** ''(الرعد۱۳، آیت۱۱)

قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ ہے، ''**لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ○**'' (البلد۹۰، آیت۴) ترجمہ ''انسان سخت مشقت کیلئے پیدا کیا گیا ہے''۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○**'' (النجم۵۳، آیت۳۹) ترجمہ ''اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جسکی وہ کوشش کرتا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا، ''تقدیر حاصل کرنے کیلئے بھرپور کوشش کرو'' (ترجمان السنہ از بدر عالم صاحب)۔

یہ بالکل واضح ہے کہ اس دُنیا کا یہ قانون ہے کہ تم جتنی محنت کرو گے، اتنا ہی پھل پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتا اور محنت کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری موجودہ پسماندگی خود ہماری ہی پیدا کی ہوئی ہے کہ ہم اس ہمت اور جذبہ سے کام نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا ہے، اسلئے ہم دُنیا کی کمزور ترین قوموں میں شامل ہو چکے ہیں۔ ہم میں سہل انگیزی حد درجہ تک آ چکی ہے۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، دین کا ہو یا امورِ دُنیا کا، ہم دِل و جان سے اسکو حل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس یہی قرآن حکیم اور یہی سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ انہوں نے ان دو واسطوں سے بتائے گئے زندگی کے اصولوں پر سخت محنت فرمائی تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے دُنیا کی بہترین قوم بن گئے۔ ہم محنت سے جی چراتے ہیں۔ قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹل اصولوں کو جائز یا ناجائز کا سہارا لے کر مصلحت کی بنا پر بدل دیتے ہیں۔ ہم نے تقدیر کا مطلب غلط لیا ہوا ہے جس سے محنت نہ کرنے کی عادت پڑ چکی ہے۔ ایسے رویّہ کے نتائج ہم سب کے سامنے ہیں۔ اگر ہم خود ہی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں سے آئے گی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اصول تو یہ بتایا ہے کہ اگر تم کرو گے، میں بھی کروں گا۔ تم

نہیں کرو گے تو میں بھی نہیں کروں گا۔تم نیکی کی طرف آؤ گے تو ہم وہ راستہ تمہارے لیے آسان فرما دیں گے اور اگر بُرائی کی طرف جاؤ گے تو ہم وہ راستہ بھی تمہارے لیے آسان فرما دیں گے۔''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ '' (سورۂ محمد ۴۷، آیت ۷) ترجمہ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی مدد کرو تا کہ وہ تمہاری مدد فرمائے اور تمہارے قدم جما دے'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے زندگی کے اصولوں پر عمل کرو گے تو وہ لازمی تمہاری مدد فرمائے گا۔

فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ کون سا راستہ اختیار کریں۔ہم نے تو آج کل جو راستے اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ سب غلط راستے ہیں۔کرپشن انتہا پر ہے۔جھوٹی شہادتیں روزمرہ کا کام ہیں۔قتل و غارت زندگی کا معمول بن چکا ہے۔دھوکہ دہی دیمک کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ہر جگہ بے انصافی اور ظلم کا دَور دَورہ ہے۔ایوانِ اقتدار ہو یا مسجد کا منبر، سب کا رویّہ ایک ہی نظر آتا ہے کہ ہم صراطِ مستقیم سے ہٹ کر کئی راستوں پر اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔کیا ہم اس طرح ترقی کر سکتے ہیں؟

پہلے شخص کی طرح ہمیں شوق اور جذبے سے کام لے کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کو فروغ دینا چاہیے اور ان قوانین پر اپنی زندگی کو سنوارنا چاہیے جو قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بتائے گئے ہیں۔اگر ہم نے اپنے راستوں کو نہ بدلا تو اس کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا۔حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اب بھی سنبھلو ورنہ ہم تمہیں عذاب دیں گے، تم ہی میں سے یا باہر سے۔اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں،''قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّھُمْ یَفْقَھُوْنَ ○''(الانعام ۶، آیت ۶۵) ترجمہ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اعلان فرما دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ذرا غور کریں کہ ہم کس طرح نصیحتوں کو مختلف پہلوؤں سے واضح فرماتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ جائیں''۔

○.....○.....○

حدیث ۵: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ ذَکَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَعَدَ عَلٰی بَعِیْرِہٖ وَاَمْسَکَ اِنْسَانٌ بِخِطَامِہٖ اَوْ بِزِمَامِہٖ قَالَ اَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا؟ فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ سِوٰی اِسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمُ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا؟ فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ بِذِی الْحِجَّۃِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ بَیْنَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاھِدَ عَسٰی اَنْ یُبَلِّغَ مَنْ ھُوَ اَوْعٰی لَہٗ مِنْہُ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۶۵)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے تھے اور ایک شخص اسکی مہار پکڑے ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''آج کون سا دِن ہے؟'' ہم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکا کوئی اَور نام فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کیا آج یوم نحر نہیں؟'' ہم نے کہا، ''کیوں نہیں! آج یوم نحر ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یہ کونسا مہینہ ہے؟'' ہم سب خاموش رہے حتی کہ ہمارا گمان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکا کوئی اَور نام لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کیا یہ ذی الحجّہ نہیں؟'' ہم نے کہا، ''کیوں نہیں! یہ ذی الحجہ ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تمہارے خون، مال اور عزتیں ایک دوسرے کیلئے اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح یہ دِن، یہ مہینہ اور یہ شہر قابل احترام ہیں۔ چاہیے کہ حاضر غائب کو یہ نصیحت پہنچادے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حاضر ایسے شخص کو پہنچائے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہو''۔

نوٹ: یہ ایک عظیم حدیث شریف ہے جو کہ ملک میں عدل قائم کرنے کی طرف ہماری رہنمائی

کرتی ہے۔عدل قائم کرنے کیلئے یہ تین ستون حکومت کے اوّلین فرائض میں سے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جنگوں میں پہلے اپنے دُشمن کو صلح نامہ کی تین شرائط بھیجتے تھے،(۱)اِسلام قبول کرلیں، ہمارے تمہارے حقوق برابر ہوں گے۔(۲)اگر یہ نہیں تو جزیہ دیں اور ہمارے ماتحت رہیں (یعنی حکومت ہماری ہوگی)۔ہم تمہاری جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتے ہیں۔(۳)اگر یہ نہیں تو ہمارے ساتھ جنگ کر لو۔فتح جسکی ہوگی،حکمران وہی ہوگا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریقہ سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت حکمران کا ذمہ ہے۔

اگر ان تین باتوں پر عمل نہ کیا جائے تو ایک ظالمانہ نظام چل نکلتا ہے جو اَمن کو خراب کر کے ملک کی ترقی روک دیتا ہے۔

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تعلیم کا ایک نرالا انداز اختیار فرمایا ہے۔ براہِ راست نصیحت کرنے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سوال و جواب کے طریقہ سے سمجھایا ہے۔تعلیمی ماہرین جانتے ہیں کہ سوال و جواب کا طریقہ تدریس کا بہترین انداز ہے۔اس حدیث شریف میں ایک اَور بات پر بھی غور کرنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''میری یہ باتیں دوسروں تک پہنچا دو''۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منشا یہ تھا کہ اگر ان تین باتوں کا معاشرے میں خیال رَکھا جائے گا تو ہمیشہ ہی عدل کو قائم کرنے میں آسانی رَہے گی لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اس پیغام کو ایسے بھلا دیا ہے کہ جیسے ہم کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔

عدل کے ان تین ستونوں پر ہم مختصر تبصرہ کرتے ہیں۔

خون کی حرمت:

یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ جس نے ایک انسان کا قتل کیا،اس نے گویا پوری انسانیت کا قتل کیا۔جس نے کسی ایک کو زندگی بخشی، اس نے گویا پوری انسانیت کو زندگی بخشی۔

''..... **اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ط وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ط**.....''

(المائدہ ۵، آیت ۳۲)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا، 'میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو'۔

قتل حق صرف تین صورتوں میں ہے، (۱) زانی، (۲) قاتل اور (۳) مرتد کیلئے۔ اسکے علاوہ جو بھی قتل ہے، وہ ناحق ہے اور اسکی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ''**وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝**''(النساء۴، آیت ۹۳) ترجمہ ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اسکی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے اور لعنت بھیجتا ہے اور ایسے شخص کیلئے اس نے آخرت میں بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

باوجود قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح تنبیہات کے ناحق قتل آج کل عام ہو چکا ہے حالانکہ ہم اپنے آپکو مسلمان گردانتے ہیں۔ ہمارے ہاں تین طرز کے قتل معمول بن گئے ہیں۔ ایک دہشت گردی کے خودکش حملے، دوسرے **فرقہ واریت کے قتل** اور تیسرے سیاسی پارٹیوں کے انتقامی قتل۔ اسکے علاوہ دوسرے قتل جیسے خاندانی دُشمنی، جائیداد کے جھگڑوں کی وجہ سے یا ڈاکہ زنی کی وجہ سے گاہے بگاہے ہوتے رہتے ہیں لیکن ملک کیلئے زیادہ خطرناک قتل وہی تین ہیں جنکا میں نے ذکر کیا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ مذہبی اور سیاسی گروہ جنکی بنیادی ڈیوٹی قتل و غارت کو روکنا ہوتا ہے، بدقسمتی سے ہمارے ملک میں وہی اسکے سرکردہ لیڈر بنے ہوئے ہیں۔

اسکا حل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ حکومت خلوص سے تعلیم پر توجہ دے اور نوجوان نسل کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کیلئے مختلف طریقے استعمال کرے اور ملک میں خواندگی کا تناسب بتدریج سو فیصدی پر لے آئے۔

مال کا احترام:

اِسلام میں مال کا احترام بھی ایسا ہی ہے جیسا جان کا احترام، اسلئے قتل میں قصاص کا نعم البدل دِیَت رکھ دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مال کی حفاظت میں مارا جاتا ہے، وہ شہید ہے۔

ہمارے ہاں مال کا احترام اسی طرح ختم ہو چکا ہے جیسے جان کا۔ وراثت کی غیر منصفانہ تقسیم عام ہے۔ اُدھار واپس کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ سود کھانے سے کوئی بچا ہوا نہیں ہے۔ چوری ڈاکے روزمرہ کا معمول ہیں۔ مال کی کرپشن ہمارے دفاتر اور اقتدار کے ایوانوں میں زوروں پر ہے۔ حکومت جسکا ذمہ معاشرے میں مالی عدل قائم کرنا ہے، اگر وہ خود ہی غیر عادلانہ طریقے اختیار کرتی ہے تو عدل کو قائم کرنے کی کوشش اَور کون کرے گا؟ اَربوں کھربوں روپے کی کرپشن ہم میڈیا میں پڑھتے ہیں لیکن اسکا کوئی حساب لینے والا نظر نہیں آتا۔ ایک زمانہ تھا کہ ایک چادر چوری کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شخص کیلئے جہنم کی خبر دی۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اونٹنی کو ایک شخص سواری کیلئے تیار کر رہا تھا۔ وہ اونٹنی سے سر کے بل گرا اور فوراً ہی فوت ہو گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسکی مدد کو دوڑے اور فرما رہے تھے، ''شہید، شہید''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یہ شہید نہیں ہے، یہ جہنمی ہے۔ اس نے مالِ غنیمت سے ایک چادر کی خیانت کی تھی''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا، ''کیا شہید کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''سوائے قرض کے'' یعنی جب تک اسکے وارث اسکا قرض ادا نہیں کر دیتے، اس پر اس مال کا حق ادا کرنے کا ذمہ رہتا ہے۔ اگر اسکا قرض ادا نہیں کیا گیا تو باوجود شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کے، وہ قیامت کے دِن قرض کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مؤمن نہ جھوٹا ہو سکتا ہے، نہ خائن'' (احمد)

ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ظُلماً ہتھیا لی، قیامت کے دِن اسکے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا''۔

زکوٰۃ نہ دینا بھی ظلم ہے۔ زکوٰۃ غریبوں کا حق ہے۔ صاحبِ زکوٰۃ، زکوٰۃ نہ دے کر غریبوں کا حق مار رہا ہے، یہ صریح ظلم ہے۔

مال کے معاملے میں سب سے زیادہ افسوس ناک رویّہ خود حکومت کا ہے۔ عوامی

خزانہ تو ایک امانت ہے لیکن ہمارے حکمران اسکو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ یہ بیماری اقتدار کے ایوانوں میں اس حد تک سرایت کر چکی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو بھی بے جا خرچ کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

مال کی عادلانہ تقسیم اور اسکی حرمت ملکی ترقی کی ضمانت دیتی ہے۔ غیر عادلانہ استعمال سے معاشی ترقی رُک جاتی ہے۔ سود کا پیسہ بہت بڑا ظلم ہے۔ ہر ظلم تاریکی ہوتی ہے۔ سودی نظام سے ہماری معاشیات کبھی بھی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰہُ لَایُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ○'' (البقرہ۲، آیت ۲۷۶)
ترجمہ ''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کافر اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا''۔

ہماری اقتصادی بدحالی کی ذمہ داری ہماری حکومتوں پر خاص طور پر اور عوام پر مجموعی طور پر آتی ہے۔ عوام کا ہر طبقہ مالی کرپشن میں ملوث ہے اور اپنے دائرۂ اختیار میں جہاں تک اسکا بس چلتا ہے، دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کیلئے کئی طریقے اختیار کرتا ہے۔ حکومت اقتصادیات کا کوئی شعور نہیں رکھتی۔ مالی انتظامات کیلئے اسکی سوچ انتہائی جاہلانہ ہے۔ دیدہ دانستہ بڑی بڑی رشوتیں، مالی کرپشن، سودی کاروبار، بیرونی قرضے روزمرہ کا معمول ہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جو کہ اسکے احکامات پر عمل کرنے سے آتی ہے، کہاں سے آئے گی؟ ہماری معاشیات روز بروز بدتر سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ حالات بڑے انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔

ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا قوم اس وقت بھی تباہ ہو جاتی ہے جب اوپر کے چند لوگ بے راہ ہوں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''نہیں! جب اکثریت بے راہ ہو جائے، تب عذاب آتا ہے''۔ دَراصل اکثریت کو گمراہ کرنے والے یہی چند ایک بڑے ہوتے ہیں۔ اگر بڑے ٹھیک ہو جائیں تو قوم ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اگر حکومت چاہے تو کوئی بھی مالی بے ضابطگی کی جرات نہیں کر سکتا۔ حکومت کے اوّلین فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ عوام کے مالی حقوق کی حفاظت کرے لیکن ہماری

حکومتیں اس شعور سے بالکل خالی ہیں۔ اسکا حل سوائے تعلیم کے اور کوئی نہیں ہے۔ روایت ہے کہ اِسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں بھی ناپ تول میں ڈنڈی مارنے کا حال حضرت شعیب علیہ لاسلام کی قوم کے حال سے ملتا جلتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے تعلیم کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس نے ایک قلیل مدت میں معاشرے کو پاکیزہ بنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ریاستِ مدینہ منورہ کے سربراہ بھی تھے۔ **سربراہ کی اپنی شخصیت اور کردار دُور رَس نتائج پیدا کرتی ہے۔** یہ قوم کی تربیت کا مؤثر ترین طریقہ ہے۔

قوم کے بڑے لوگ یعنی حکمران اور علمائے کرام وغیرہ اگر صحیح راستے پر ہوں تو قوم بھی صحیح راستے پر آ سکتی ہے۔ اگر وہ خود ہی صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہوں تو ساری قوم میں ایسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا، ''تمہاری مثال ایک کشتی کی طرح ہے جسکا ایک حصہ اوپر اور ایک حصہ نیچے ہے۔ کچھ لوگ اوپر کے حصے میں سوار ہو گئے اور کچھ لوگ نچلے حصے میں۔ زیریں حصہ کے لوگ پانی لینے کیلئے اوپر جاتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ پانی ہمارے اِردگرد سمندر میں موجود ہے، ہم اوپر سے پانی لانے کے بجائے کشتی میں سوراخ کر کے سمندر سے پانی لے سکتے ہیں۔ اس وقت اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو نیچے والے خود بھی غرق ہو جائیں گے اور اوپر والوں کو بھی غرق کر دیں گے''۔

حکمران اور علمائے کرام کی ڈیوٹی یہ ہے کہ نیچے والوں کا ہاتھ جب وہ غلط استعمال ہوتا دیکھیں تو اس کو پکڑ کر درست کریں۔ علمائے کرام کا کام ہے کہ تعلیم سے مال کی حرمت کے متعلق عوام الناس کو شعور دلائیں اور حکمرانوں کا کام ہے کہ اس تعلیم کو معاشرے میں عملی طور پر نافذ کرنے کا انتظام کرے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ دونوں طبقے ہی خود صراطِ مستقیم سے ہٹ چکے ہیں، اس لئے ہماری کشتی بغیر ناخدا کے چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے (آمین)۔

عزتوں کا احترام:

یہ اشارہ ہے انسان کے بنیادی حقوق کی طرف۔ اگر ہر شہری دوسرے کے بنیادی حقوق کا احترام کرے گا تو معاشرے میں عدل اور اَمن قائم ہو جائے گا۔ اگر ہم ایک دوسرے کے بنیادی حقوق ماریں گے تو ملک میں فساد برپا ہو جائے گا اور پورا معاشرہ ظلم کی آماجگاہ بن جائے گا۔ اس وقت ہمارے ملک میں یہی صورتحال ہے۔

حقوق کی تعلیم دینا اور عوام الناس میں اسکی ادائیگی کا شعور پیدا کرنا عالم اور حکمران کا کام ہے۔ ہمارا نظامِ تعلیم بہت ہی فرسودہ ہے۔ سکول اور مدرسے کی تعلیم موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ اسکی تجدید نو کے متعلق نہ تو حکمران کو ہوش ہے اور نہ عالم کو فکر ہے۔ عالم نے مسجد میں اپنی حکومت بنائی ہوئی ہے اور اپنی مرضی کا اِسلام پڑھا رہا ہے۔ ایوانِ اقتدار میں حکمران نے اپنی ذاتی حکومت بنائی ہوئی ہے۔ ہمارے قوانین قرآن کریم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق نہیں ہیں۔ جو بھی نیا قانون بن کر آتا ہے، وہ بسا اوقات قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا حکمران بنیادی حقوق کے لفظ سے ہی ناواقف ہے کیونکہ سب سے زیادہ عوام کے بنیادی حقوق کو غصب کرنے والے حکومتی ادارے ہیں۔ اگر حکمران خود ہی حقوق کے غصب کرنے والے ہوں تو وہ عوام کے حقوق کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں؟

حکمران سیاسی ہو یا غیر سیاسی، کوئی پُرخلوص اور باصلاحیت حکمران سامنے نہیں آ رہا۔ کچھ ظاہری ڈنڈے سے کام لے لیتے ہیں، کچھ جمہوریت کے نام پر خفیہ ڈنڈے سے کام لے لیتے ہیں۔ ہر ایک کا طرزِ حکومت غاصبانہ اور ظالمانہ ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پارلیمانی جمہوریت ہمارے لیے موزوں نہیں ہے۔

اگر ہم اور ہماری حکومتیں عزت کی زندگی بسر کرنے کا شوق رکھتے ہیں، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو پھر ہمیں ان تین رزّیں اصولوں کو اپنی زندگی کا محور بنانا ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث ٦: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا ۔
(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ٦٧)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''لوگوں پر آسانی کرو، تنگی نہ کرو۔ اُنکو خوشخبری دو، مایوسی نہ دلاؤ''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ''تم وہاں فیصلے کیسے کرو گے؟'' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! قرآن مجید کے مطابق''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر وہ تمہیں قرآن مجید میں نہ ملے؟'' تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، ''میں پھر سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تلاش کروں گا''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ ''اگر وہ تمہیں میری سنّت میں سے نہ ملے؟'' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ''پھر میں اپنے قیاس سے فیصلہ کروں گا''۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اے معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ لوگوں کیلئے آسانی پیدا کرنا'' (سنن ابوداؤد، باب اجتہاد)۔

میں جب انگلینڈ میں تھا تو میں نے ایک دِن اپنے بینک منیجر کی ٹیبل پر یہ لکھ کر رکھا ہوا دیکھا، ''We are here to make your life easier'' (ہم یہاں آپکے لیے آسانی پیدا کرنے کیلئے بیٹھے ہیں)۔ میں وہاں بارہ سال سے زیادہ عرصہ رہا ہوں اور پچھلے بیس سال سے ہر سال گرمی کی تعطیلات میں دو ماہ کیلئے وہاں چلا جاتا ہوں۔ میں نے اس بینک کی کارکردگی کو سو فیصد اس دعوے کے مطابق پایا۔ یہی طریقہ وہاں میں نے تمام دفاتر میں دیکھا ہے اور یہ ہونا بھی چاہیے **کیونکہ قوم ایک وحدت ہوتی** ہے۔ اگر ایک ادارے کی کارکردگی معیاری ہے تو دوسرے ادارے کی کارکردگی بھی معیاری ہی ہوگی۔ اگر ایک ادارے کی کارکردگی غیر معیاری ہے تو دوسرے ادارے کی

کارکردگی بھی غیر معیاری ہی ہوگی۔

میں نے یہاں اپنے ایک بیوروکریٹ عزیز سے ایک دفعہ اس بات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی میں نے یہ تجویز دی کہ یہاں اداروں میں یہ لکھ کر رکھ دینا چاہیے کہ ''We are here to make your life miserable'' (یعنی ہم یہاں تمہاری مصیبتوں میں اضافہ کرنے کیلئے بیٹھے ہیں)۔اس نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور میری بات کی تصدیق کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہر انسان چرواہا ہے۔ قیامت کے دِن تمہیں اپنی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔(ترمذی شریف)

مطلب یہ ہے کہ ہر انسان جہاں جہاں اسکو تھوڑا بہت اختیار ہے، وہ ان لوگوں کی بھلائی کا ذمہ دار ہے مثلاً باپ اپنی جگہ گھر میں چرواہا ہے، افسر اپنے دفتر میں ماتحتوں اور عوام کیلئے چرواہا ہے، کارخانہ دار اپنی فیکٹری میں مزدوروں کیلئے چرواہا ہے، زمیندار اپنی جگہ مزدور اور مویشیوں کیلئے چرواہا ہے۔ ہر انسان کو اسکے اختیار کے دائرے میں رَہ کر اپنے متعلقہ لوگوں کیلئے آسانی پیدا کرتے رہنا چاہیے، اس سے معاشرے میں اَمن کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بہت سے جرائم کا سدّ باب ہوجاتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ حکمران اور رعایا کا آپس میں تعلق سب سے زیادہ اس بات کا متقاضی ہے کہ حکمران عوام کیلئے ہر سطح پر آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔اس سے حقوق کی ادائیگی میں سہولت ہو گی اور نظامِ عدل کی راہ استوار ہوگی۔کوئی ملک بھی بغیر عدل قائم کیے ترقی نہیں کرسکتا۔

اس حدیث شریف کا دوسرا جزو یہ ہے کہ ہمارے اندر مایوسی کی کیفیت کم سے کم پیدا ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اس دُنیا میں چاروں طرف سے مصیبتوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔اگر ہم مصیبتوں پر رونا دھونا شروع کردیں تو ہماری قوتِ عمل جواب دے جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بالآخر ایسی نا اُمیدی پیدا ہوجاتی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔قرآن مجید میں ہے ''**قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝**'' (الزمر ۳۹، آیت ۵۳) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم)! آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو اپنے اوپر ظلم کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مایوس نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں یعنی (اللہ تعالیٰ کے راستے اور امورِ دُنیا میں کوتاہیوں، بے اعتدالیوں، کمزوریوں) کو معاف فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر ہجرت میں تھے تو مشرکینِ مکہ مکرمہ کی طرف سے سراقہ بن عبدالمالک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سراقہ کی طرف دیکھا تو اسکا گھوڑا زمین میں دھنسنا شروع ہوگیا۔ سراقہ نے معافی مانگی اور گھوڑا زمین کے اوپر نکل آیا۔ اس طرح تین دفعہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں دفعہ ہی سراقہ کو معاف فرمایا اور پھر سراقہ ایمان لے آیا اور اس نے وعدہ کیا کہ میں واپس جاتا ہوں اور ہر آنے والے کو اس راستے سے روکتا جاؤں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ کو ایک مثبت انداز میں یہ خبر دی کہ اے سراقہ! میں تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رَہا ہوں۔

غزوۂ احزاب میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خندق کھود رہے تھے تو ایک بہت بڑا پتھر راستے میں آ گیا جسکو توڑنے سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عاجز آ گئے۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو اسکی خبر کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال اس پتھر پر مارا اور ایک چنگاری پھوٹی اور پھر دو ٹکڑے ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مجھے اس چنگاری میں کسریٰ کے محلات دکھائے گئے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ضرب لگائی۔ ایک اور چنگاری پھوٹی اور ساتھ ہی پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے قیصر کے محلات دکھائے گئے ہیں''۔ دیکھئے اس وقت مسلمانوں کی حالت کتنی مایوس کن تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بہت بڑی مثبت پیشین گوئیاں بتا کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حوصلہ بلند فرمایا۔

روزمرہ کی زندگی میں ہمیں چاہیے کہ ایک دوسرے کی مثبت انداز میں حوصلہ افزائی کریں۔ اس سے اسکی مایوسی اور مصیبت پر شکستہ دِلی کافی حد تک دُور ہو جائے گی اور اس میں ایک ایسی ہمت پیدا ہوگی جس سے وہ اپنی مصیبت پر قابو پانے کیلئے پوری محنت سے

اقدام کر سکے گا۔ہمیں چاہیے کہ اسکو اندھیرا دکھانے کے بجائے اُمید کی کرن دکھائیں۔

آخری وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کچھ خفیہ بات فرمائی تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسری خفیہ بات فرمائی تو وہ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بعد میں پوچھا کہ کیا بات تھی؟ تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے تو میں رونے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم میرے پاس پہنچو گی تو یہ سن کر میرا دِل خوش ہو گیا۔

ہمارے ماحول میں ہر انسان کسی نہ کسی تکلیف اور ناسازگار حالات میں مبتلا رہتا ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم خود پُر اُمید رہیں اور اسی طرح دوسروں کو اُمید کی کرن دکھائیں کیونکہ **بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بالآخر آ کر رہتی ہے۔**

آج کل میڈیا ہماری زندگی میں بہت اہم ہو گیا ہے۔ یہ بڑی بڑی سنسنی خیز خبریں بنا کر ہمتوں کو کبھی پست اور کبھی بلند کرتا ہے۔ میڈیا کا زیادہ رجحان منفی ہوتا ہے، مثبت انداز بہت کم دیکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں خوف کی نسبت اُمید زیادہ دلائی گئی ہے۔ خوف دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ اکثر فرماتا ہے کہ ''**وَاللّٰہُ غَفُوْر'' رَّحِیْم** ○ ''اور اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے''۔ میڈیا کی رپورٹنگ کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ آج کل کے زمانے میں کسی فرد یا قوم کو اُٹھانے اور گرانے میں میڈیا کا کردار بہت اہم ہے۔ ہمارے میڈیا کو چاہیے کہ قوم کے حوصلے بلند رکھے، یہ ایک بہت بڑی نیکی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگِ خندق کے موقع پر حوصلہ انگیز پیشین گوئی کی سنّت کو اپنائیں۔ سچ بھی بولیں اور حوصلہ بھی بلند کریں۔

منفی انداز کی رپورٹنگ مایوسی پیدا کرتی ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند آدمیوں کو ایک قبیلہ کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ وہ خوف کی وجہ سے زکوٰۃ وصول کیے بغیر واپس آ گئے لیکن سخت نادم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم

(میدانِ عمل سے) بھاگ آئے ہیں، ہمیں معاف فرمادیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''آپ بھاگے نہیں ہیں بلکہ مرکز کی طرف لوٹ آئے ہیں''۔ اس مثبت انداز سے انکو تسلی ہوئی اور حوصلہ بلند ہوا۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ جو بھی'' لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ '' کا اقرار کرلے گا، وہ جنت میں ضرور جائے گا خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے بدکاری کی ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرانگی سے پوچھا کہ آیا وہ جنت میں ضرور جائے گا؟ خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے بدکاری کی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں! وہ ضرور جنت میں جائے گا خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے بدکاری کی ہو۔ یہ مکالمہ تین دفعہ ہوتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدستور مثبت انداز میں حوصلہ افزائی فرماتے رہے حتی کہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ خواہ ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ناک خاک آلود ہو، کلمہ گو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ (مشکوٰۃ، کتاب الایمان، حدیث ۲۳)

ایسا مثبت انداز اختیار کرنے سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اگر منفی انداز اختیار کیا جائے تو نا اُمیدی میں انسان دوسرے نیک کام کرنا بھی چھوڑ دے گا اور توبہ کرنے کا حوصلہ نہیں رہے گا۔ ہماری مسجدوں میں زیادہ تر منفی انداز اختیار کیا جاتا ہے جس سے نا اُمیدی اور کم ہمتی جنم لیتی ہے۔ اس انداز کو بدلنا چاہیے اور زیادہ مثبت انداز میں وعظ کرنا چاہیے۔

○.....○.....○

حدیث ۷: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ لاَ حَسَدَ اِلاَّ فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ" اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَ عَلٰی هَلْکَتِهٖ فِی الْحَقِّ وَ رَجُلٌ" اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۷۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''دو افراد کے سوا کسی پر حسد یعنی رشک ٹھیک نہیں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے حق پر خرچ کرتا ہو۔ دوسرا وہ فرد جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہو، جس سے وہ فیصلہ کرتا ہو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دیتا ہو''۔

نوٹ: حسد تو بالکل ناپسندیدہ چیز ہے۔ حسد یہ ہے کہ آدمی دوسرے کی کوئی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ یہ نعمت اس سے چلی جائے، خواہ اسے ملے یا نہ ملے۔ عربی زبان میں حسد کا دوسرا مطلب رشک ہے۔ رشک یہ ہے کہ انسان دوسرے کی نعمت دیکھ کر خواہش کرے کہ ''یا خدا! یہ نعمت مجھے بھی عطا فرما''۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مال خرچ کرنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ اگر دُنیا میں کسی انسان پر تم رشک کرنا چاہتے ہو تو یہ دو چیزیں انسان کیلئے بہترین نعمت ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایمان کے ساتھ اپنا مال خرچ کرے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں حکمت تلاش کرے اور دوسروں کو حکمت سکھائے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال کا خرچ کرنا وہی مقبول ہوتا ہے جو حلال کمائی سے حاصل کیا ہوا ہو۔ مال کا خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک پودا ہے، اسکو اگر پانی دیا جائے تو وہ بڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے جو انسانوں کیلئے تاحیات مفید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اسکی مثال یوں بیان فرماتا ہے ''مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ''

عَلِیْم ''○'' (البقرہ۲، آیت ۲۶۱) ترجمہ ''جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، انکے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات شاخیں اُگیں اور ہر شاخ میں سو سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، زیادہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے''۔

انفاق فی سبیل اللہ کی یہ مثال دونوں جہانوں پر صادق آتی ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ سات سو گنا تک اَجر عطا فرمائیں گے۔ اس دُنیا میں بھی اسکا مثبت اَثر معاشرے کی مجموعی مالی حالت پر سات سو گنا تک ہوتا ہے۔ مال کا روک لینا معیشت کی ترقی کو روک لیتا ہے۔ مال کا خرچ کرنا اقتصادیات میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ یہ حرکت معاشیات کی نشو ونما میں ایسا ہی اَثر رَکھتی ہے جیسا پانی ایک پودے کی نشو ونما میں اَثر پذیر ہوتا ہے۔ اگر پودے سے پانی روک لیا جائے یا اسکی جڑوں کے پاس آگ کا انگار رَکھ دیا جائے تو وہ خشک ہو جائے گا۔ اسی طرح مال کا روک لینا اور جمع کر کر کے رَکھنا معاشیات کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا کہ اسکے ساتھ ایک بچی ہے جس نے ہاتھ میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورت سے فرمایا، ''تم نے اسکو آگ کے دو انگارے پہنائے ہوئے ہیں''۔

اگر مال کو مسلسل معاشرے میں خرچ کرتے رہیں تو اس سے غرباء و مساکین کے حالات سنورنے کے ساتھ ساتھ ملک کی بڑی بڑی سکیموں کیلئے فنڈ کی قلّت محسوس نہیں ہو گی لیکن مال کا خرچ کرنا صحیح طریقے پر ہونا چاہیے جسکے لیے حکمت کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں خرچ کرنے میں اسراف کا پہلو بہت دیکھا گیا ہے۔ شادی پر بے دریغ خرچ ہوتا ہے۔ مساجد میں بے حد اسراف ہو رہا ہے۔ نمود و نمائش کیلئے ہم بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مکانات بنانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ جنکی زینت پر بے سوچے سمجھے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ بدترین جگہ جہاں انسان پیسہ لگاتا ہے، رہائش کا مکان ہے یعنی کہ ضرورت سے زیادہ نہ بنایا جائے اور غیر ضروری تزیّن نہ کی جائے۔

روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوبصورت مکان بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناراضگی کا اِظہار فرمایا۔ اس انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کیلئے اس مکان کو گرا دیا اور دوبارہ سادہ مکان

تعمیر کیا تب کہیں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی دُور ہوئی (مشکوٰۃ، حدیث ۴۹۵۱)۔ ہم کھیل تماشوں پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ مال کی کرپشن میں ہمارے چھوٹے بڑے سب ملوث ہیں۔ مال کا صحیح مصرف یہ ہے کہ طریقہ صحیح ہو، مقام صحیح ہو اور مقدار صحیح ہو۔ ہمیں ان چیزوں پر غور کرنا چاہیے۔ اگر مال خلوصِ نیت سے اور صحیح طریقے پر، صحیح مقام پر اور صحیح مقدار میں نہیں خرچ کیا جائے گا تو یہ جہنم کا انگارہ بن جائیگا۔

مضبوط ملکی دفاع ہر زمانے میں ہر ملک کی اوّلین ترجیح ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ ہی مضبوط اقتصادیات کا محتاج رہتا ہے۔ اگر ہم کفایت شعاری کو شعار بنائیں اور اسراف کو چھوڑ دیں اور معاشیات کو صحیح خطوط پر چلائیں تو ہم دفاع کے معاملے میں کسی دوسرے ملک کے محتاج نہیں رہیں گے۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بات جس کیلئے انسان کو ترغیب دی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان حکمت تلاش کرے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ چیز ہے لہٰذا اسے جہاں بھی پائے، وہی اسکا مستحق ہے'' (ترمذی، حدیث ۲۴۹۳) یعنی حکمت اسی کو ملتی ہے، جو اسکو ایسی محنت سے ڈھونڈتا ہے جیسے انسان گمشدہ چیز کو ڈھونڈ کر تلاش کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝**'' (البقرہ۲، آیت ۲۶۹) ترجمہ ''جسکو وہ چاہتا ہے، حکمت سے نوازتا ہے اور جسکو حکمت عطا ہوئی، بلاشبہ اسکو بڑی دولت ملی اور نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔

حکمت تلاش کرنے سے ملتی ہے۔ اس کیلئے سخت محنت کی ضرورت ہے۔ جیسے ہم اپنی قیمتی چیز گم ہونے پر اسکی تلاش میں خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں، اسی طرح حکمت تلاش کرنے میں بھی خون پسینہ ایک کیے بغیر کام نہیں بنتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''**لاحكمة بدون تجربة**'' ترجمہ ''تجربہ کے بغیر حکمت حاصل نہیں ہوتی''۔ تجربہ کیا ہے؟ ایک کام کو ممکنہ تمام طریقوں سے کیا جائے اور پھر جو بہترین طریقہ ہو، اسکو اپنا لیا جائے۔

مال اور حکمت کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ حکیمانہ طریقے سے اپنے کاروبار کا انتظام کرنا پیداواری صلاحیت بڑھا دیتا ہے۔ اسکے برعکس اگر جاہلانہ طریقہ اختیار کیا جائے تو کاروبار بند ہونے تک نوبت آ جاتی ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایک فیکٹری تو خوب مال پیدا کر رہی ہے اور زمین کا ایک کھیت خوب پیداوار دے رہا ہے جبکہ دوسری فیکٹری اور دوسرے زمیندار کا کھیت بہت ہی کم پیداوار دیتے ہیں۔

اسی طرح حلال طریقے سے کمایا ہوا روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کیلئے حکمت کی ضرورت ہے۔ کتنا خرچ کرنا ہے؟ کب خرچ کرنا ہے؟ کہاں خرچ کرنا ہے؟ کیسے خرچ کرنا ہے اور کیوں خرچ کرنا ہے؟ یہ سب حکمت پر مبنی ہے۔ بغیر حکمت کے اگر ہم اپنے اخراجات طے کریں گے تو بہت جلد محتاج بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، ''**وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○**'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۹) ترجمہ ''اور تم اپنے ہاتھ کو نہ تو اتنا تنگ ہی کرو کہ کچھ نہ دو اور نہ اتنا کشادہ کرو کہ کُل کا کُل دے ڈالو ورنہ الزام خوردہ خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہو گے''۔ ایک اَور جگہ قرآن حکیم میں ہے کہ ''**وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○**'' (النساء ۴، آیت ۵) ترجمہ ''اور بے وقوف لوگوں کو انکا مال جسے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کیلئے سبب معیشت بنایا ہے، مت دو۔ (ہاں) اس میں سے انکو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے اچھی باتیں کہتے رہو (ان اچھی باتوں میں دِین کی باتیں اور اپنے اخراجات کا انتظام اچھے طریقے سے کرنا شامل ہے)''۔

قرآن حکیم کی ان آیات سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ پیسے کا کمانا اور خرچ کرنا **بڑی دانشمندی** سے ہونا چاہیے۔ اگر ہم حکمت سے اپنی اقتصادیات کا بندوبست کریں تو کسی کے محتاج نہیں ہوں گے اور کوئی آدمی بھوکا نہیں سوئے گا لیکن بدقسمتی سے ہم حکمت کے بجائے اپنے نفس کا دھیان زیادہ کرتے ہیں۔ ہم نے انفرادی طور پر اور بحیثیت ایک

قوم کے معاشیات کے اصولوں کو بالکل چھوڑ رَکھا ہے۔حکمت ایک بہت بڑی دولت ہے۔ہمیں چاہیے کہ اپنی معاشیات کوحکمت کی بنیادوں پراستوارکریں۔

حکمت صرف معاشیات تک ہی محدودنہیں ہے بلکہ اس حدیث شریف میں اسکو ایک انسان کی پوری زندگی کیلئے **صفتِ عظیم قرار** دیا گیا ہے۔ یہ عدل قائم کرنے کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے جس پر معاشرے کی بقا کا انحصار ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۸: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَ الْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا وَّکَانَ مِنْھَا نَقِیَّۃٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَاءَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْھَا طَآئِفَۃً اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَآءً وَلَا تُنْبِتُ کَلَاءً فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقِہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ بِمَا بَعَثَنِی اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ یَرْفَعْ بِذٰلِکَ رَأْسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۷۷)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ نے جس **ہدایت** اور **علم** کو دے کر مجھے بھیجا، اسکی مثال موسلا دھار بارش جیسی ہے جو زمین پر برسی۔ اس میں سے ایک زمین عمدہ تھی جس نے پانی جذب کرلیا اور گھاس اور سبزہ خوب اُگائے۔ ایک زمین سخت تھی جس نے پانی کو روک لیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع دیا۔ لوگوں نے وہ پانی پیا اور پلایا اور کھیتی باڑی کی۔ پھر ایک زمین ایسی بھی تھی جو محض صاف چٹیل تھی، وہ نہ تو پانی روکتی تھی اور نہ ہی گھاس اُگاتی تھی۔ پس ایک شخص ایسا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، اس نے اسکو نفع دیا۔ اس نے پھر یہ علم حاصل کر کے دوسروں کو سکھایا اور دوسرے شخص کی مثال ایسی ہے جس نے اس طرف توجہ نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت جسکے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، کو قبول نہ کیا''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے **علم** اور **نورِ ہدایت** کو بارش سے تشبیہہ دی ہے۔ جس انسان کے دِل کی زمین زرخیز ہے، وہ ایمان کو قبول کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم اور ہدایت کے نور کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رَکھتا ہے۔ وہ اس پر خود عمل کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ اس

سے اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسروں تک پہنچتا رَہتا ہے اور انسانیت اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک اور انسان کی مثال سخت زمین کی مثال سے دی ہے جو بارش کے پانی کو اکٹھا تو کر لیتی ہے لیکن جذب نہیں کرتی۔ اس سے انسانوں اور حیوانات کو کچھ فائدہ تو ہو جاتا ہے لیکن ایسی زمین نہ گھاس اُگاتی ہے نہ چارہ۔ ایسا شخص سخت دِل ہوتا ہے جو علم تو حاصل کرتا ہے اور انسانوں کو کچھ فائدہ بھی پہنچاتا ہے لیکن بذاتِ خود اس پر عمل نہیں کرتا۔

بہترین انسان وہ ہے جو علم کو حاصل کرتا ہے اور اس پر خود عمل بھی کرتا ہے اور انسانوں کو تعلیم بھی دیتا ہے۔

پھر ایک اَور انسان ہے جسکے دِل کی زمین بنجر ہوتی ہے، وہ ایمان اور نورِ ہدایت کی بارش کو اپنے اندر جذب نہیں کر پاتا۔ وہ ایمان سے محروم رہتا ہے۔ جہالت میں غرق رہتا ہے اور بنجر زمین کی طرح دوسرے انسانوں کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

ہماری مثال مجموعی طور پر دوسرے اور تیسرے شخص کی طرح ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارش اب بھی اُسی طرح جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گی لیکن ہم نے اپنے دِلوں کی زمین کو سخت اور بنجر بنایا ہوا ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ ہمارے سکولوں، کالجوں اور مدرسوں میں عربی زبان، قرآن مجید اور حدیث شریف کا علم لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ **اگر سخت اور بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنایا جا سکتا ہے تو سخت اور مردہ دِلوں کو قابل حیات کیوں نہیں بنایا جا سکتا۔**

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم اور نورِ ہدایت کی بارش سے اپنے آپکو خوب سینچا، سخت محنتیں کیں۔ اپنے مال اور جانوں کی قربانی دی تب کہیں جا کر انکے دِلوں کی زمین سیراب ہوئی۔ محنت کے بغیر تو کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن ہم قسمت پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں اور خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مغفرت اور جنت کیلئے بس ''**لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰـه**'' پڑھ لینا ہی کافی ہے حالانکہ قرآن مجید میں جہاں بھی ایمان کی بات ہوئی ہے، اسکے ساتھ عمل کی بات بھی ضرور آئی ہے۔ ''**وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ**

خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ''(العصر۱۰۳،مکمل سورت) ترجمہ''زمانے کی قسم کہ انسان واقعی بڑے نقصان میں ہے سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں اور آپس میں حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہتے ہیں (یعنی ہر قدم پر سچ پر قائم اور اسکے نتیجے میں جو مصیبتیں آئیں، صبر کرتے رہنا)''۔ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○''(النجم۵۳،آیت۳۹) ترجمہ''اور انسان کو وہی ملتا ہے جسکی وہ کوشش کرتا ہے (یعنی جنت کے اعمال کرو گے تو عزت ملے گی، جنت میں بھی اور اس دُنیا میں بھی اور جہنم کے اعمال کرو گے تو ذلّت اور رُسوائی ملے گی، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''تقدیر حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرو''(ترجمانُ السنۃ از محمد بدر عالم)۔جان لینا چاہیے کہ محنت کے بغیر کوئی ترقی نہیں ہوسکتی۔

○.....○.....○

حدیث ۹: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یُرْفَعَ الْعِلْمُ وَیَثْبُتَ الْجَھْلُ وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَیَظْھَرَ الزِّنَآءُ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۷۸)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہیں کہ علم اُٹھ جائے گا، جہالت چھا جائے گی، شراب پی جائے گی اور زنا عام ہو جائے گا''۔

نوٹ: یہاں علم کا مطلب کسی چیز کے متعلق صرف جان لینا ہی نہیں بلکہ علم وہ کہلاتا ہے جس پر عمل کیا جائے۔ کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''علم بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا''۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں ایک شخص بار بار یہ پڑھتا ہے کہ ''اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃ''، اگر وہ نماز کو قائم نہیں کرتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اسکو یہ علم فائدہ نہیں دے گا۔ جب عمل ہی ختم ہو گیا تو معاشرے میں ہر قسم کی بُرائی آسانی سے پھیل جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہالت، شراب اور زنا کی طرف صرف اسلئے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ تین چیزیں تمام بُرائیوں کی بنیاد بنتی ہیں۔

علم علماء کرام کے اُٹھ جانے سے ختم ہوگا اور ایک حدیث شریف کی رُو سے عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ جیسے جیسے ہم زمانہ قیامت کے قریب پہنچ رہے ہیں، اکثر علماء کرام کم سے کم اپنے علم پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اُتِیْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰی اَنِّیْ لَاَرَی الرَّیَّ یَخْرُجُ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ اَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّاب (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ؟ قَالَ الْعِلْمُ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۸۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''ایک وقت میں سو رہا تھا کہ میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے وہ پیا حتیٰ کہ میں دیکھ رہا تھا کہ تازگی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیا''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکی تاویل وتعبیر کیا فرماتے ہیں؟'' فرمایا، ''علم''۔

نوٹ: اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم نبوت کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتا'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۵۷۸۴)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے، ''تم سے پہلی اُمتوں میں ''مُحَدّث'' لوگ ہوتے تھے۔ اگر میری اُمت میں کوئی ''مُحَدّث'' ہوتا تو وہ (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتا'' (''مُحَدّث'' وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کے چلے جانے کے بعد اسکی تعلیم کو تازہ رکھتا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۵۷۷۴)۔

○.....○.....○

حدیث۱۱: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ ’’یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اَکَادُ اُدْرِکُ الصَّلٰوۃَ مِمَّا یُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ‘‘ فَمَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَۃٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْ یَوْمَئِذٍ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ مُنَفِّرُوْنَ فَمَنْ صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْھِمَ الْمَرِیْضَ وَالضَّعِیْفَ وَذَاالْحَاجَۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۸۸)

ترجمہ : حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے عرض کیا، ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فلاں شخص کے نماز کو لمبا کرنے کے باعث میں نماز باجماعت نہیں پڑھ سکتا‘‘۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دِن نصیحت میں اس سے زیادہ کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ’’اے لوگو! تم لوگوں کو متنفر کرتے ہو۔ جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں مریض بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں اور حاجت مند بھی‘‘۔

نوٹ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختصر نماز کو پسند فرماتے تھے تاکہ مقتدی لمبی قرأت اور طویل اقامت سے اُکتا نہ جائیں۔ نیکی کی قبولیت اس وقت ہوتی ہے جب دِل کی خوشی سے عمل کیا جائے۔

’’جماعت کی نماز کو مختصر ترجیح دی گئی ہے جبکہ اکیلے کی نماز کو فرض ہو یا نفل، طویل قیام والی پسند کی گئی ہے‘‘۔ (مشکوٰۃ، باب صفات نماز، حدیث ۷۴۴)

○.....○.....○

حدیث ۱۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّه‘ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِکَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ یَااَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنْ لَایَسْأَلَنِیْ عَنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ اَحَد‘‘ اَوَّلُ مِنْکَ لِمَا رَأیتُ مِنْ حِرْصِکَ عَلَی الْحَدِیْثِ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۹۷)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کیا، ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت سے سعادت مند کون شخص ہوگا؟‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ’’اے (حضرت) ابو ہریرۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں پہلے ہی جانتا تھا کہ اس بات کے متعلق تجھ سے پہلے مجھ سے کوئی دوسرا سوال نہ کرے گا کیونکہ میں حدیث شریف سننے پر تیری حرص دیکھ چکا ہوں۔ قیامت کے روز میری شفاعت سے سعادت مند وہ شخص ہوگا جس نے صدقِ دِل کے ساتھ یا صدقِ نفس کے ساتھ (یہ راوی کا شک ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو‘‘۔

نوٹ: خلوص دِل سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کہنا جنت کے حصول کو واجب کر دیتا ہے۔ انسان کا اپنا عمل انتہائی اہمیت رَکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ فضیلت ہے کہ ہر پُرخلوص کلمہ گو کیلئے شفاعت کی اجازت ہے۔ ہمیں اس شفاعت پر ہی بھروسہ کرتے ہوئے عمل صالح میں سستی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہمیں بھرپور محنت سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ہم شفاعت کے لائق ہیں۔

دُنیا میں بھی سفارش اسکی ہی کی جاتی ہے جسکے معاملے میں کچھ وزن ہوتا ہے۔ یہی اصول آخرت میں بھی ہوگا۔

جو عمل حق پر ہوگا، اسکا وزن ہوگا اور جو باطل پر ہوگا، اسکا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

حدیث ۱۳: عَنْ اِبْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُھَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۹۹)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ لوگوں سے علمِ دِین یکدم نہ اُٹھائے گا بلکہ علماء کے فوت ہونے سے حتیٰ کہ جب کوئی عالم دِین باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھے جائیں گے۔ وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا پیغام یہ ہے کہ انسان علم حاصل کرتا رہے اور اسکو آگے پھیلاتا رَہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو حاضر ہیں، وہ میری بات غائب کو پہنچا دیں''۔ ایک اَور جگہ فرمایا، ''میری بات آگے پہنچا دو خواہ ایک ہی آیت ہو''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علم کو چھپانے سے منع فرمایا۔ قرآن حکیم بھی علم حاصل کرنے اور اسکی اشاعت پر زور دیتا ہے۔ پہلی وحی علم اور اسکی اشاعت کے بارے میں ہی آئی تھی۔ جیسے فرمایا، ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○'' (العلق ۹۶، آیت ۱تا۵) ترجمہ ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (تمام عالم) کو پیدا فرمایا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنکا اسکو علم نہ تھا''۔

مفید علم دو قسم کا ہے، ایک دِین کا اور دوسرا امورِ دُنیا کا۔ دونوں علوم کا حاصل کرنا

انسان کیلئے ضروری ہے۔کوئی فرد اور قوم علم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ دونوں علوم ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ یوں سمجھئے کہ یہ زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔زندگی کی گاڑی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی اگر ان دونوں میں توازن نہ ہو البتہ یہ سمجھنا پڑے گا کہ دِین کا علم اس گاڑی کا دایاں پہیہ ہے اور امورِ دُنیا کا علم بایاں۔ کائنات میں ہر جگہ دائیں کو بائیں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

موجودہ زمانے میں ہم نے ان دو علوم کے توازن کو بگاڑ دیا ہے۔ایک گروہ ایسا ہے جو امورِ دُنیا کو لیے بیٹھا ہے اور علم دِین سے بالکل بے خبر ہے۔ دوسرا گروہ ایسا ہے جو ساری اہمیت علم دِین کو دے رہا ہے اور امورِ دُنیا کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ دونوں ہی غیر متوازن راستے پر چل رہے ہیں۔

امورِ دُنیا کا علم زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے جبکہ دِین کا علم بنیادی طور پر ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے لیکن اسکے اصولوں کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے کیلئے سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دِین کے علم کا مقصد عدل کا قیام ہے اور امورِ دُنیا کے علم کا مقصد انسان کی ذات کی بقا ہے۔

عدل کا قیام حقوق کی ادائیگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔حقوق کا علم حاصل کرنا عدل کی بنیاد ہے۔حقوق کا علم اور اس کی ادائیگی کا شعور مسلسل محنت کا تقاضا کرتا ہے۔حقوق کا تعین کرنا قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر مبنی ہے۔ یہ دو کتابیں دَراَصل دِینِ اِسلام کی ٹیکسٹ بُک ہیں۔ جیسے کوئی ڈاکٹر ڈاکٹری کی ٹیکسٹ بُک کا علم حاصل کیے بغیر اور اس پر **عمل کیے بغیر** ڈاکٹر تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح دِین کی ان ٹیکسٹ بُک **کا علم** اور اس پر **عمل کیے بغیر** کوئی فرد صحیح مسلمان تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ان کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان پر عبور حاصل کیا جائے۔ اس وقت ہمارے تعلیمی نظام میں عربی زبان کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ مساجد یا مدرسوں میں بھی عربی زبان کو خاطر خواہ اہمیت نہیں ملتی۔جن مدارس میں عربی زبان پڑھائی جاتی ہے، ان کا معیار بھی بہت ہی پست ہے۔ یہ حکومت کا ذمہ ہے کہ عربی تعلیم کو سکولوں، کالجوں اور مدارس میں لازمی مضمون کے طور پر گریجوایشن کی سطح تک پڑھایا جائے۔عربی زبان کے بغیر قرآن اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سمجھنا

ناممکن ہے۔

دِین سے صَرفِ نظر کر کے انفرادی اور قومی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

دوسری طرز کا علم امورِ دُنیا سے تعلق رَکھتا ہے۔ قرآن حکیم میں بلا واسطہ یا بالواسطہ اسکی ترغیب موجود ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ط ذٰلِکُمْ خَیْر'' لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا ط قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْر'' مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○ ''(الجمعہ ۶۲، آیت ۹ تا ۱۱) ترجمہ ''مؤمنو! جب جمعے کے دِن نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد (یعنی نماز) کیلئے جلدی کرو اور خرید و فروخت ترک کر دو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تا کہ فلاح پاؤ۔ اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو اُدھر بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں کھڑے کا کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہہ دو کہ جو چیز خدا کے پاس ہے، وہ تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے''۔

ان آیات میں بالکل واضح حکم دیا گیا ہے کہ نماز کے بعد روزی کیلئے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ۔ ''فضل'' وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ اس میں روزی کے ساتھ دُنیا کی وہ تمام نعمتیں شامل ہیں جو انسان اس زمین پر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تمام نعمتیں انسان کو دِین کی موجودگی میں ترقی کی راہ پر گامزن کرتی ہیں۔ انکا حصول انسان پر فرض ہے۔ ''فضل'' (رزق) کی بدولت انسان کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔ اسکی بدولت اپنے اندرونی اور بیرونی دُشمنوں سے حفاظت کیلئے ہر ممکن تدبیر اختیار کر سکتا ہے۔ ملکی دفاع بھی اس پر منحصر ہے۔ ہر ملک مساوی حق رَکھتا ہے کہ دفاع کیلئے ہر تدبیر کو اختیار کرے۔ یہ کسی ایک ملک کی اجارہ داری نہیں ہے۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہر ملک کا بنیادی حق ہے۔ اس کیلئے معاشیات کا مضبوط ہونا از بس ضروری ہے۔ معاشیات اَمن سے مضبوط ہوتی ہے۔ اَمن

عدل سے قائم ہوتا ہے۔ عدل حقوق کی ادائیگی پر مبنی ہے۔ حقوق کی ادائیگی کیلئے حقوق کا **علم اور شعور** پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

معاشیات کی ترقی انسان سے سخت محنت کا تقاضا کرتی ہے۔ ہم اُدھار مانگ کر معاشیات کو مضبوط نہیں کر سکتے۔ برازیل کے ایک پروفیسر لکھتے ہیں کہ ''دولت دولت پیدا نہیں کرتی بلکہ محنت دولت پیدا کرتی ہے''۔ یہ محنت مقاصد کے تعیّن اور زمانے کے حالات کے مطابق ہوتی ہے تب ہی مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ بے مقصد محنت اور حالات اور زمانے کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے اچھے نتائج حاصل نہیں ہو سکتے لہٰذا اپنے مقاصد کا **واضح علم ہونا** چاہیے اور حالات کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔ جب تک زمانے کے تقاضوں پر نظر نہیں ہوگی، ہماری معیشت کمزور رَہے گی جسکے نتیجہ میں دفاع بھی کمزور ہو جائے گا پھر دِین کو محفوظ رَکھنا بھی مشکل ہوگا۔

دونوں قسم کے علوم کی اشاعت اور ان میں ریسرچ مسلسل جاری رہنی چاہیے۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے پر پوری توجہ مرکوز کر دینا ہلاکت کو دعوت دے گا۔ انکی اشاعت اور ان میں توازن قائم کرنا حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے۔

جاپان ایک وقت بہت ہی پسماندہ ملک تھا۔ پھر ۱۷۰۰- عیسوی کے لگ بھگ قانون کی مدد سے تعلیم کو عام کیا گیا۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آج جاپان کی معیشت دُنیا میں سب سے زیادہ مضبوط خیال کی جاتی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم تک جاپان ایک انتہائی طاقتور قوم بن چکا تھا لیکن فطرت کے فیصلوں کو ہم نہیں جانتے کہ وہ شکست سے کیوں دوچار ہوا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۴: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَت اِسْتَیْقَظَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَقَالَ سُبْحٰنَ اللّٰہِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ اَیْقِظُوْا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ فَرُبَّ کَاسِیَةٍ فِیْ الدُّنْیَا عَارِیَة" فِیْ الْاٰخِرَةِ۔
(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۱۱۵)

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا: ''سبحان اللہ! اس رات کس قدر فتنے نازل ہوئے اور کس قدر خزانے کھلے۔ حجرہ والیوں کو بیدار کرو (عبادت کیلئے)۔ بہت سی عورتیں جو دُنیا میں نفیس کپڑے پہننے والی ہیں، وہ آخرت میں ننگی ہوں گی (یعنی ایمان سے خالی ہوں گی)''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں یہ اشارہ ہے کہ اس دُنیا میں خیر وشر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ خیر کے راستے پر چلتا ہے یا شر کے راستے پر۔

یہاں حجرہ والیوں سے مراد امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین ہیں۔ ''حجرہ والیوں'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں میں ٹھہری رہنے والی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں انکے متعلق اللہ رَبّ العزت نے فرمایا، ''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ط اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○ وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَةِ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ○'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳-۳۴) ترجمہ ''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دِنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں، اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہل بیت! اللہ رَبّ العزت چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دُور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے اور تمہارے

گھروں میں جو اللہ جل شانہٗ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، انکو یاد رکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر ہے''۔

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے، اسی طرح امہات المؤمنین کی زندگی بھی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ خاص طور پر مؤمنین کی مستورات کیلئے انکی زندگی مشعل راہ ہے۔ مستورات کیلئے بہترین جگہ اپنا گھر ہے اور بازار بدترین جگہ ہے۔ مستورات کو بازار میں اسی وقت جانا چاہیے جب اَشد ضرورت ہو ورنہ گھر میں رہ کر گھر والوں کے حقوق اَدا کرتے رہنا بہترین زندگی ہے۔ اگر گھر سے باہر نکلیں بھی تو بالکل سادہ لباس میں نکلنا چاہیے۔ جو مستورات خوشنما لباس میں نکلنا پسند کرتی ہیں، وہ معاشرے میں بے شمار فتنوں کی راہ کھول دیتی ہیں۔ ان فتنوں کی بنا پر قیامت میں انکی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہے گا۔

عورت کا فرضِ اوّل اپنے اہل خانہ کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے جس میں شوہر، بچے، والدین اور بہن بھائی شامل ہیں۔ انکے حقوق کی تعلیم حاصل کرنا اور انکو حکمت سے اَدا کرنا تب ہی ممکن ہے جب عورت اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارے۔ گھر میں رہ کر قرآن حکیم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کا حاصل کرنا اور اسکو جاری رَکھنا اسکے پورے خاندان کیلئے باعث رحمت بن جاتا ہے۔

اس حدیث شریف سے ایک تاثر یہ نکلتا ہے کہ شاید اِسلام عورت کو پوری معاشرتی زندگی سے علیحدہ رَکھنا چاہتا ہے۔ یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ اِسلام عورت کو ان ضروری امور کے سرانجام دینے کے لیے جنکی ضرورت معاشرے میں ہوتی ہے، ہرگز نہیں روکتا لیکن وہ اس بات سے ضرور روکتا ہے کہ دورانِ تعلیم، اپنی پروفیشنل ڈیوٹی کے دوران اور گھر سے باہر خوشنما لباس اور زیورات سے اپنے آپکو مزیّن کرے۔ وہ معاملات جس سے معاشرے میں عورت کا عمل دخل ضروری ہے، انکا علم حاصل کرنا اور ملازمت اختیار کرنا عین اِسلام کے مطابق ہے جیسے ڈاکٹری کا پیشہ، پولیس یا تعلیم کے پیشے وغیرہ

معاشرتی آداب میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں مزید یہ فرمایا (دیکھیں سورۂ النور ۲۴، آیت ۳۱) کہ ''جب باہر نکلیں تو اپنی نگاہیں نیچی رَکھیں، اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈال لیں، اپنی زینت اور سنگھار کو ظاہر نہ ہونے دیں اور چلتے وقت اپنے پاؤں

زمین پر زور سے نہ ماریں کہ زینت کی آواز کانوں میں پہنچے اور اپنے پاؤں کی زینت کو چھپائے رکھیں.....''۔ جو پروفیشنل عورتیں ڈیوٹی کیلئے گھر سے نکلتی ہیں، انکو بھی چاہیے کہ اپنے لباس اور زینت کو بالکل سادہ رکھیں۔

یہ حکومت کا ذمہ ہے کہ معاشرے میں معاشرتی آداب کی تعلیم اور اسکے شعور کا بندوبست کرے لیکن ہم نے اسکو ہر شخص کی مرضی پر چھوڑا ہوا ہے اور ہمارے معاشرے میں کچھ ادارے ایسے ہیں جو مقامی لباس اور اسلامی آداب کے بجائے مغربی لباس و آداب کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں ٹیلی ویژن اور تعلیمی ادارے سرفہرست ہیں۔ حکومت کی ڈیوٹی ہے کہ ایسے اداروں کو اِسلامی قدریں اپنانے اور انکو نشر کرنے کی ترغیب دے اور ممکن ہو تو قانونی طور پر بھی انکو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ اِسلامی اقدار پر سختی سے عمل کریں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہر انسان کا ذاتی فعل ہے لیکن یہ بالکل غلط خیال ہے۔ قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان آداب کی تلقین فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اگر یہ کسی کا ذاتی مسئلہ ہوتا تو احکم الحاکمین پردے کا حکم قرآن حکیم میں نہ دیتا۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ فرانس میں دوپٹے کی پابندی حکومت ہی نے تو لگائی ہے اور برطانیہ کی حکومت نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہم ایسی پابندی نہیں لگائیں گے۔ معاشرے میں اِسلامی معاشرتی آداب سکھانا اگر حکومت کا ذمہ نہیں ہے تو اَور کس کا ذمہ ہے۔

الیکٹرانک میڈیا کو کون کنٹرول کرتا ہے اور تعلیمی ادارے سرکاری یا پرائیویٹ، کس کے کنٹرول میں ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا کا حال تو بہت ہی افسوسناک ہے۔ اس سے ہماری نوجوان نسل بے راہ ہوتی جارہی ہے۔ ساٹھ سال سے کسی حکومت کو اس بات کی فکر نہیں کہ معاشرتی آداب کا شعور پیدا کرنا ایک بہت بڑی ضرورت بن چکی ہے۔ نوجوان نسل کیلئے کوئی عملی ماڈل نہیں ہے جس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ جو ماڈل آتا ہے، اخلاق باختہ کا مجموعہ ہوتا ہے لہٰذا نوجوان نسل بھی ویسی ہی بنتی جارہی ہے۔

لباس عورت کی شخصیت کا عکس ہے۔ سخت پردہ کے بجائے اگر آج کل سادہ پردہ کا رواج کر دیا جائے تو زمانے کے تقاضوں کے مطابق مستورات عملی طور پر ملک کی ترقی

میں حصہ لے سکتی ہیں۔ سادہ پردہ کی صورت یہ ہے کہ قمیص شلوار لمبی ہو، دوپٹہ سر کو مکمل طور پر ڈھانپنے کے بعد چہرہ کھلا چھوڑ کر سینے پر ڈال لیا جائے یا ایک لمبی قمیص ہو جو گلے سے لے کر پاؤں تک ہو اور سر کیلئے مکمل دوپٹہ ہو۔ اس لباس کا رواج سکول سے شروع کرنا چاہیے اور لیڈی استاد کی عملی مثال سب سے زیادہ مؤثر ہوگی۔ اسی طرح ٹی وی پر آنے والی مستورات کے لباس میں بھی ضروری تبدیلیوں کی ضرورت ہے جس سے پورے معاشرے پر ایک صحتمند اثر پڑ سکتا ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۵: عَنْ جَرِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ فِی حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۱۲۲)

ترجمہ : حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ ''لوگوں کو خاموش کرو'' پھر فرمایا، ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اُڑانے لگو''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا پیغام یہ ہے کہ اگر تم نے آپس میں ناحق قتل وغارت شروع کر دیا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تم اِسلام کو چھوڑ کر گمراہی میں دُور نکل گئے ہو۔ اِسلام جو کہ سلامتی قائم کرنے کیلئے آیا ہے، اگر تم قتل وغارت میں ملوث ہو جاؤ گے تو تم دراَصل اِسلام کے خلاف کام کر رہے ہو پھر تم کو صحیح مسلمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔

ناحق قتل کی کئی وجوہات ہیں مثلاً تعصب، انتقام، تکبر، فرقہ واریّت (مذہبی اور سیاسی) اور ڈاکے۔ یہ تمام خصلتیں کفر کی خصلتیں ہیں۔ اِسلام تو تعصب کو ختم کرنے کیلئے آیا ہے، انتقام کی جگہ معاف کرنے کی تلقین کرتا ہے، تکبر کی جگہ عاجزی کو پسند کرتا ہے، تفرقہ کی جگہ اتحاد کو ترجیح دیتا ہے اور مال کی حرمت کو جان کی حرمت کے برابر ٹھہراتا ہے۔ اگر ہم قرآن حکیم وسنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان نصیحتوں پر عمل نہیں کرتے تو ہم اپنے آپکو مسلمان کیسے کہہ سکتے ہیں۔

○.....○.....○

حدیث۱۶: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَآءَ رَجُل اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ مَا الْقِتَالُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟ فَاِنَّ اَحَدَنَا یُقَاتِلُ غَضَبًا وَ یُقَاتِلُ حَمِیَّۃً فَرَفَعَ اِلَیْہِ رَأْسَہٗ قَالَ وَمَا رَفَعَ اِلَیْہِ رَأْسَہٗ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ قَآئِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَاء فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۱۲۴)

ترجمہ : حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! فی سبیل اللہ قتال کیا ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی تو غصّہ کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی غیرت کی وجہ سے لڑائی کرتا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شخص کی طرف سر مبارک اُٹھایا۔ راوی نے کہا، ''اسکی طرف سر مبارک نہ اُٹھایا مگر اسلئے کہ وہ شخص کھڑا تھا'' اور فرمایا ''جس نے اسلئے لڑائی کی کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو تو وہ لڑائی فی سبیل اللہ عزوجل ہے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جو جنگ کی جاتی ہے، صرف وہی قتال فی سبیل اللہ عزوجل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمے کا مطلب یہ ہے کہ اس دُنیا میں عدل کو قائم کیا جائے جس کی بنیاد ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ'' پر ہے۔ ملکی دفاع بھی جنگ فی سبیل اللہ ہے کیونکہ مسلم ملک کی سرحدوں کی حفاظت بہترین جہاد ہے۔ اِسلامی ملک کے اندر اگر اِسلامی عدل نہیں ہے تب بھی ملکی دفاع قتال فی سبیل اللہ میں شامل ہوگا کیونکہ اگر غیر مسلم قابض ہوجائے گا تو ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ'' پر ایمان رکھنے والے خواہ انکا ایمان کسی درجے میں ہو، بالآخر ختم ہوجائیں گے اور اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا دِین مٹ جائے گا۔ تاریخ میں اس کی واضح مثال سپین کی ہے۔ اگر اِسلامی ملک غیر مسلم کے قبضہ سے محفوظ رہے گا تو کسی وقت بھی اِسلامی عدل دوبارہ قائم ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

انفرادی طور پر فوجی کارروائی جنگ فی سبیل اللہ ہے ہی نہیں۔ جنگی کارروائی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، حکومتِ وقت کا ذمہ ہے۔ حکومت خواہ کیسی ہی ہو، اس کی اجازت کے بغیر کوئی جنگی معرکہ جنگ فی سبیل اللہ نہیں کہلائے گا۔ اگر حکومت جابر ہے اور وہ دفاع کے لیے بلا رہی ہے تو اس کے ساتھ ملکی دفاع نہ کرنے سے انسان گناہ گار ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر امیر (حکمران) کے ساتھ جہاد واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ خواہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو'' (مشکوٰۃ شریف، باب امامت کا بیان)

○.....○.....○

حدیث ۱۷: عَنِ نُعَیْمٍ نِ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِیْتُ مَعَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَلٰی ظُهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُطِیْلَ غُرَّتَه' فَلْیَفْعَلْ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۱۳۶)

ترجمہ: حضرت نعیم مجمر نے کہا کہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کیا اور بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میری اُمت کو وضو کے نشانات کی وجہ سے قیامت کے دِن سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے کہہ کر بلایا جائے گا۔ جو اپنی سفیدی کو زیادہ کر سکے، زیادہ کرے''۔

نوٹ: قیامت کے دِن اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پہچان یہ ہوگی کہ وضو والے اعضاء چمک رہے ہوں گے۔ چمک کی شدت وضو میں **کمال، خلوصِ نیّت** اور **استقامت** پر منحصر ہو گی۔ وضو میں کمال یہ ہے کہ اعضاء کے دھونے میں کمی بیشی سے اجتناب کیا جائے اور پانی کے استعمال میں اسراف سے بچا جائے۔ استقامت یہ ہے کہ انسان ہر وقت باضو رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص میری طرح وضو کرے پھر دو رَکعت تحیۃ الوضو ادا کرے اس طرح کہ اسکے دِل میں کوئی خیال نہ آئے یعنی پوری توجہ برقرار رَکھے تو حق تعالیٰ شانہٗ اسکے پچھلے گناہ بخش دے گا''۔ (ابوداؤد، جلداوّل، حدیث ۱۰۶)

ایک دوسری حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر دو رَکعت نفل پوری توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا کیے تو اسکے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے۔ مزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو اچھی طرح وضو کرے اور وضو سے فارغ ہوتے ہی ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه' لَاشَرِیْکَ لَه' وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه' وَرَسُوْلُه '' کہے تو اسکے لیے قیامت میں جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہوں گے۔ جس دروازے سے چاہے، وہ داخل ہو جائے'' (سنن ابوداؤد، جلداوّل، حدیث ۱۶۹)

حدیث ۱۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ صَلٰوةٍ مَا کَانَ فِیْ الْمَسْجِدِ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ مَالَمْ یُحْدِثْ فَقَالَ رَجُل'' اَعْجَمِیّ'' مَا الْحَدَثُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ الصَّوْتُ یَعْنِیْ الضَّرْطَةَ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۱۷۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''بندہ ہمیشہ نماز میں رہتا ہے جب تک وہ مسجد میں نماز کا انتظار کرتا رہے جب تک اسے حَدَث لاحق نہ ہو''۔ایک عجمی شخص نے کہا، ''اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! حَدَث کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ''دُبر سے ہوا خارج ہونے کی آواز ہے''۔

نوٹ: باوضو شخص جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے نماز پڑھ رَہا ہے۔اسکو نماز کا ثواب ملے گا۔جب وضو ٹوٹ جائے تو اسکا انتظار نماز میں شمار نہیں ہوگا۔مسجد میں وضو کے ٹوٹنے کی بڑی وجہ حَدَث ہے۔جب وضو ٹوٹ جائے تو چاہیے کہ فوراً وضو کرلیا جائے تاکہ وقفہءِ انتظار میں نماز کا ثواب ملتا رہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۹: حَدَّثَنِیْ ابْنُ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَغْسِلُ اَوْ کَانَ یَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلَی خَمْسَۃِ اَمْدَادٍ وَیَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۲۰۰)

ترجمہ : حضرت ابن جبر نے خبر دی کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک صاع (چار سیر) سے پانچ مُدّ (پانچ سیر) تک پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے اور ایک مُدّ (ایک سیر) پانی سے وضو فرماتے تھے۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو زندگی کا معیار (Standard) مقرر فرما دیا ہے، وہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا، ''تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ رکھ دیا ہے'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۲۱)

ہم وضو اور غسل کرتے وقت پانی کو بہت ضائع کرتے ہیں۔ اسراف اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند نہیں ہے۔ ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○ '' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۷) ترجمہ ''یقیناً اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رَبّ کا ناشکرا ہے''۔ پانی کی معیاری مقدار یعنی ایک مُدّ جو تقریباً ایک سیر کے برابر ہوتا ہے، سے وضو کرنا ذاتی ڈسپلن پر منحصر ہے۔ اگر آپکی طبیعت ڈسپلن کی طرف راغب ہے تو ایک سیر پانی مکمل وضو کیلئے کافی ہے۔ اگر آپ اس سے زیادہ پانی استعمال کر رہے ہیں تو آپکی طبیعت میں ڈسپلن کا فقدان ہے کیونکہ اتنے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکمل وضو فرما کر دکھایا ہے۔

اسی طرح غسل کیلئے زیادہ سے زیادہ پانچ سیر پانی کافی ہے جس سے مکمل غسل ہو جانا چاہیے۔ اس سے زیادہ استعمال کیا جائے گا تو اسراف تصور ہوگا۔ **اسراف ایک اخلاقی بیماری ہے۔** ہر اخلاقی بیماری کے اثرات دُنیا و آخرت میں بُرے نکلتے ہیں۔ دُنیا میں اسراف کے بُرے اثرات سے معیشت رُو بہ تنزل ہو جاتی ہے، غربت عام ہو جاتی ہے۔ اسراف دولت کی **غیر منصفانہ** تقسیم کو جنم دیتا ہے جس سے بے شمار سماجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً چوری، دھوکہ دہی، قتل و غارت عام ہو جاتا ہے۔ یہ چند ایک نام لے دیئے ہیں۔

حدیث ۲۰: عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِیْ شَأْنِہٖ کُلِّہٖ فِیْ طُھُوْرِہٖ وَتَرَجُّلِہٖ وَتَنَعُّلِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۴۱۸)

ترجمہ: اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت (غسل) فرمانے، کنگھی فرمانے اور جوڑا شریف پہننے وغیرہ امور میں حتی الوسع دائیں طرف سے ابتداء فرمایا کرتے تھے۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کام میں یہی طریقہ تھا کیونکہ یہی قانونِ فطرت ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ'' (یٰس ۳۶، آیت ۴۰) ترجمہ ''اور سب (سورج اور چاند وغیرہ) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں''۔ سائنسی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ زمین اور تمام اجرامِ فلکی اپنے اپنے مدار میں دائیں سے بائیں کو گردش کرتے ہیں۔

ہماری زمین بھی سورج کے گرد دائیں سے بائیں کو اپنے مدار میں تقریباً 66000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہی ہے اور اپنے محور پر بھی یہ دائیں سے بائیں کو چل رہی ہے۔

ہماری ٹریفک فطرت کے اس قانون کے خلاف ہے۔ ہم سڑک کے بائیں طرف چلتے ہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہماری ٹریفک سڑک کے دائیں طرف ہونی چاہیے۔ دُنیا کے اکثر ممالک کی ٹریفک سڑک کے دائیں طرف چلتی ہے۔ اگر ہم اپنی ٹریفک بدل کر سڑک کے دائیں طرف لے آئیں تو ہماری ٹریفک قانونِ فطرت کے مطابق ہو جائے گی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار برکات شامل ہو جائیں گی۔

ٹائم پیس کا نظام بھی قانونِ فطرت کے اُلٹ ہے۔ اس وقت گھڑی کی سوئیاں بائیں سے دائیں کو سفر کرتی ہیں۔ اسکو بھی بدل کر قانونِ فطرت کے مطابق کرنا چاہیے۔

تمام اچھے کام دائیں ہاتھ سے کیے جاتے ہیں اور ناپسندیدہ کام جو کہ ہر صورت کرنے لازمی ہیں، بائیں سے کیے جاتے ہیں مثلاً استنجا بائیں ہاتھ سے کرتے ہیں، غسل خانہ میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے داخل کرتے ہیں۔

ہم قانونِ فطرت کے جتنا قریب ہوں گے، فطرت اتنا ہی ہمارا ساتھ دے گی اور ہمارے بے شمار مسائل آسانی سے حل ہوتے چلے جائیں گے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گلی اور سڑک کے دائیں طرف چلا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دِن جنتیوں کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ ''فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ لا فَیَقُوْلُ ھَآؤُمُ اقْرَءُ وْا کِتٰبِیَہْ ○ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ ○ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ○ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ○ قُطُوْفُھَا دَانِیَۃ'' ○ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ ○ ''(الحاقہ ۶۹، آیات ۱۹ تا ۲۴) ترجمہ ''تو جس شخص کا نامہء اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا، ''لو میرا نامہء اعمال پڑھ لو، میں تو جانے ہوئے تھا کہ مجھے ضرور میرا حساب پیش آنے والا ہے''۔ تو وہ شخص خوب عیش میں ہوگا، بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے بدلے میں جو تم گذشتہ ایام میں کر چکے ہو''۔

یاد رکھیے! جوتی پہنیں تو دایاں پاؤں پہلے پہنیں اور اُتاریں تو بایاں پہلے اُتاریں۔ مسجد میں داخل ہوں تو دایاں پاؤں پہلے داخل کریں۔ باہر نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں۔ کھائیں پئیں تو دائیں ہاتھ سے کھائیں پئیں۔ کانٹے سے کھانے میں لوگ بایاں ہاتھ استعمال کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔ استنجا بائیں ہاتھ سے کریں۔ گھر میں داخل ہوں تو دایاں پاؤں پہلے داخل کریں۔ گاڑی میں ہم پہلے بایاں پاؤں داخل کرتے ہیں، یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے کیونکہ ڈرائیونگ سیٹ قانونِ فطرت کے خلاف بنائی گئی ہے

اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں کو بائیں پر ترجیح دی ہے اور جہاں تک ممکن ہو تو اس پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار برکات ہمارے شامل حال رہیں گے۔

○.....○.....○

حدیث۲۱: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ مِنْ صَلَاتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۴۲۴)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اپنے گھروں میں کچھ نماز پڑھا کرو اور انکو قبریں نہ بناؤ''۔

نوٹ: یہاں نماز کا مطلب سنّت اور نوافل ہیں۔ فرض نماز کو مسجد میں ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کی اکثریت سنّت اور نوافل گھروں میں ادا کرتی تھی۔

کچھ نماز گھر میں پڑھنے سے اہل خانہ کو نماز کی ترغیب اور تعلیم ہو جاتی ہے۔ نماز کے ساتھ دینی تعلیم کا ماحول بن جاتا ہے۔ اگر آپ فرض، سنّت اور نفل سب مسجد میں ادا کریں گے تو اہل خانہ اس ماحول سے محروم رہیں گے پھر گھر کا ماحول غیر اِسلامی بن جائے گا۔ جب انسان کچھ نوافل گھر میں پڑھے گا تو لازمی بات ہے کہ قرآن کریم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں کرنے کا موقع ملے گا۔ جب گھر والے نماز پڑھیں گے تو زکوٰۃ کی بات بھی کریں گے۔ جب زکوٰۃ کی بات کریں گے تو مال کے حرام اور حلال کمانے کی بات بھی ہوگی۔ **اس طرح نماز جو کہ زندگی کا محور ہے، گھر کے پورے ماحول کی سوچ کو بدل دیتی ہے۔**

میں جب طالبعلم تھا تو ہم چار لڑکے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ میں کچھ نماز کمرے میں پڑھ لیتا تھا۔ میں نے اس وقت مشاہدہ کیا کہ کئی مہینوں کے بعد باقیوں میں سے کچھ لڑکے نمازی بن گئے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نماز کی زبانی تلقین کرنے سے مزاحمت کا ردِّعمل پیدا ہوتا ہے۔ اسکے برعکس نماز کو دوسرے کی موجودگی میں عملی طور پر ادا کرنے سے اچھا اَثر پڑتا ہے۔

ایک اور ضروری بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے کہ جب انسان نماز ادا کرتا ہے تو اسکے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو کہ اسکے ساتھی بن جاتے ہیں۔ وہ جو پڑھتا ہے، وہ دہراتے

ہیں۔اگر وہ ''آمین'' کہتا ہے تو اسکے ساتھ ''آمین'' کہتے ہیں۔اس پاکیزہ ماحول کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جو کہ اس ماحول میں بیٹھے ہوتے ہیں، نیکی کی فکر کی توفیق دیتا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں مدد دیتی ہے۔

ترمذی شریف (جلد دوم، حدیث نمبر ۳۳٦۸) میں ایک لمبی حدیث شریف ہے جسکے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دفعہ کچھ لوگ ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔انکے ساتھ ایک راہگیر آ کر بیٹھ گیا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ ''میں نے اس گروہ کے تمام لوگوں کی مغفرت کر دی'' تو فرشتوں نے عرض کیا کہ ''یا اللہ جل جلالہٗ! ان میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو ذکر کی خاطر نہیں آیا تھا بلکہ ایسے ہی راستہ چلتے بیٹھ گیا''۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں نے اسکو بھی ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے بخش دیا''۔

آدمی جب گھر میں نماز پڑھتا ہے تو ایک ذکر کا ماحول بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں گھر کے تمام افراد کو شامل فرمالیتا ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۲۲: عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ السَّلَمِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۴۳۴)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو (۲) رَکعت نفل پڑھے یعنی تحیۃ المسجد''۔

نوٹ: مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ بیٹھنے سے پہلے دو (۲) رَکعت نماز اللہ تعالیٰ کیلئے پڑھنا، یہ اسکے گھر کے آداب میں سے ایک اَدب ہے بلکہ بعض حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہاں تک اَدب کرتے تھے کہ اگر وہ کسی مسجد کے پاس سے گزرتے ہیں تو اس میں دو (۲) رَکعت نفل پڑھے بغیر نہیں جاتے تھے۔

حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ صبح بازار جایا کرتے تھے۔ چنانچہ مسجد کے پاس سے گزر ہوتا تو وہاں دو (۲) رَکعت نماز پڑھتے۔ (نسائی، حدیث۷۳۶)

○.....○.....○

حدیث ۲۳: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَةَ تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدِکُمْ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ الَّذِیْ صَلّٰی فِیْهِ مَا لَمْ یُحْدِثْ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَه' اَللّٰهُمَّ ارْحَمْه'۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۴۳۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''فرشتے تم میں سے ہر کسی کیلئے دُعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے مصلیٰ پر بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہو، جب تک وہ بے وضو نہ ہو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ 'اے اللہ جل جلالہٗ! اسے بخش دے، اے اللہ جل شانہٗ! اس پر رحم فرما''۔

نوٹ: فرشتوں کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ نماز کے بعد وضو کے ساتھ اگر کوئی اپنے مصلّے پر بیٹھا رہے تو فرشتے مسلسل اس کیلئے دُعا کرتے رہتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جب وضو ٹوٹ (حَدَث سے) جاتا ہے تو فرشتے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ہی آپ وضو کر کے لوٹتے ہیں تو فرشتے پھر آپکے ساتھ آ موجود ہوتے ہیں۔ نمازی جب دوسری نماز کیلئے وضو کے ساتھ انتظار میں بیٹھتا ہے تو فرشتے اسکے ساتھ اسکے لیے مغفرت کی دُعا مانگ رہے ہوتے ہیں۔ اس دفعہ بھی اسکو ایسا ہی تصور کیا جاتا ہے گویا کہ وہ نماز میں ہے اور اسکو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

نماز کے بعد اگر آپکے پاس وقت ہو تو ذکر میں مشغول ہو جائیں یا قرآن حکیم اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاوت میں اپنا وقت صَرف کریں۔ زیادہ فضیلت قرآن کریم اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو مجھے تمہارے ادنیٰ ترین آدمی پر ہے''۔ پھر فرمایا ''یقیناً اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام اہل زمین و آسمان یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں تک ایسے شخص کیلئے دُعائے خیر کرتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے'' (ترمذی شریف، حدیث ۲۴۹۱)

○.....○.....○

حدیث ۲۴ : وَقَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِیْدِ النَّخْلِ وَاَمَرَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بِبِنَآءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ اُکِنُّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَاِیَّاکَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ قَالَ اَنَس'' رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَتَبَاھَوْنَ بِھَا ثُمَّ لَا یَعْمُرُوْنَھَا اِلَّا قَلِیْلاً وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۴۳۶)

ترجمہ : حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی''۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور فرمایا، ''لوگوں کو بارش سے بچاؤ اور سرخ اور زرد رنگ کرنے سے بچو ورنہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے''۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''لوگ مسجدیں بنا کر فخر کیا کریں گے اور انکو آباد کم کریں گے''۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''تم مسجد کو ایسے مزّین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے عبادت خانے مزیّن کئے''۔

نوٹ: مسجدِ نبوی شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سادہ ترین عمارت تھی۔ مسجد کا اصلی مقصد نماز اور قرآن حکیم و حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے۔ آج کل ہم تعلیم کی طرف تو توجہ نہیں دیتے لیکن جو مسجد کا فنڈ ہوتا ہے، اسکو مسجدوں کے خوبصورت سے خوبصورت بنانے میں لگا دیتے ہیں اور مزید لوگوں سے اس غرض کیلئے بھیک مانگتے ہیں۔ نماز کے علاوہ قرآن حکیم و حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم برائے نام ہوتی ہے۔

مسجد نبوی شریف میں چوبیس گھنٹے تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہی نظام صدیوں تک چلتا رہا۔ دُنیا کی پہلی یونیورسٹی ''جامعہ الازہر'' جو مصر میں واقع ہے، مسجد میں بنی تھی۔ جب تک مسلم اُمت قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر اپنا مال خرچ کرتی رہی، دُنیا کی سپر پاور رہی۔ جیسے جیسے تعلیم پر سے توجہ ہٹتی گئی اور مال کا رُخ دیواروں کی طرف ہوتا چلا گیا تو اُمت پستی کی طرف چل نکلی۔ آج حالت یہ ہے کہ ہم دُنیا کی پسماندہ ترین قوموں میں شمار ہوتے ہیں اور قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کی تعلیم کو بالکل چھوڑا ہوا ہے۔نتیجہ آپکے سامنے ہے۔ذلّت وخواری ہمارا مقدر بن چکی ہے۔

؎ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اورتم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

.....

؎ یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

○.....○.....○

حدیث ۲۵: حَدَّثَنَا مُسَدَّد'' قَالَ صَلٰوۃُ الْجَمِیْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوتِہٖ فِیْ بَیْتِہٖ وَصَلٰوۃٍ فِیْ سُوْقِہٖ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَی الْمَسْجِدَ لَایُرِیْدُ اِلَّا الصَّلٰوۃَ یَخْطُ خَطْوَۃً اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ بِھَا دَرَجَۃً اَوْ حَطَّ عَنْہُ بِھَا خَطِیَّۃً حَتّٰی یَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ کَانَ فِیْ صَلٰوۃٍ مَا کَانَتْ تَحْبِسُہُ وَتُصَلِّیْ الْمَلَآئِکَۃُ عَلَیْہِ مَا دَامَ فِیْ مَجْلِسِہِ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہُ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ مَا لَمْ یُؤْذِ یُحْدِثْ فِیْہِ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۴۶۷)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جماعت میں نماز پڑھنا اپنے گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس (۲۵) درجے زیادہ ثواب ہے کیونکہ تم میں سے جب کوئی اچھا وضو کرے پھر مسجد میں آئے۔ نماز کے سوا اور کوئی ارادہ نہ کرے تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اسکے سبب اللہ تعالیٰ اسکا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور اسکے گناہ معاف فرماتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور جب مسجد میں داخل ہو جائے تو جب تک اسے نماز روکے رکھے، وہ نماز ہی میں رہتا ہے اور فرشتے اسکے لیے دُعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اسی جگہ رہے جہاں اس نے نماز پڑھی تھی۔ (وہ کہتے ہیں) 'اے اللہ رَبّ العزت! اسے بخش دے، اے اللہ جل شانہٗ! اس پر رحم فرما' جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے''۔

نوٹ: اللہ رَبّ العزت سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو باقاعدگی سے مسجد میں پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

○.....○.....○

حدیث۲۶: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا وَشَبَّکَ اَصَابِعَہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۴۶۹)

ترجمہ : حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''مؤمن مؤمن کیلئے عمارت کی مانند ہے جسکا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اسکی تمثیل بیان فرمائی۔

نوٹ: اتحادِ اُمت کی مثال ایک دیوار سے دی گئی ہے۔ مضبوط ترین دیوار وہ ہوتی ہے جسکی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے صحیح طور پر جُڑی ہوئی ہو۔ اگر دو اینٹیں ٹیڑھی جُڑی ہوئی ہوں گی تو ایسی دیوار مضبوط نہیں ہوگی۔ دیوار کی مضبوطی کیلئے ضروری ہے کہ اینٹ اپنے چاروں طرف کی اینٹوں سے موزوں طور پر پیوست ہو۔

اسی طرح اُمت کی مضبوطی اس بات میں ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے ساتھ صحیح طریقہ سے منسلک ہو۔ صحیح طریقہ قرآن حکیم اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل کرنے میں ہے۔ جب ایک مؤمن دوسرے مؤمن کو سیدھے راستے پر چلنے میں مدد دیتا ہے تو وہ ایک دوسرے کیلئے اُمت کے اتحاد میں مددگار بنتے ہیں۔ شاعر مشرق نے فرمایا، ''ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ'' یعنی ہر مؤمن اُمت کے استحکام میں اپنے کردار سے اُمت کو مضبوط کرتا ہے۔ اسکے برعکس اگر مؤمن دوسرے مؤمن کے ساتھ صحیح مطابقت نہیں رکھتا تو وہ دیوار میں ٹیڑھی اینٹ کی مانند ہے۔ ایسی صورت میں اُمت کا اتحاد بہت کمزور پڑ جاتا ہے۔ آج کل صورتحال یہی ہے۔

ہم اتحاد پیدا کرنے کے بجائے انتشار پیدا کرتے ہیں۔ ہم موافقت ڈھونڈنے کے بجائے مخالفت تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے اندر بے شمار چھوٹے بڑے گروہ پیدا ہو چکے ہیں۔ اس فرقہ واریت کی بنیاد **مذہبی** اور **سیاسی** ہے۔ ہمارے مذہبی اور سیاسی لیڈر قوم کو یکجا کرنے کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

ذرا قرآن حکیم کی اس آیت پر غور کریں ''**وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا**

وَّلا تَفَرَّقُوْا .....'' (آلِ عمران۳، آیت۱۰۳) ترجمہ ''اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور علیحدہ علیحدہ گروہ مت ہو جاؤ.....''۔

یہاں قرآن حکیم کیا سبق دے رہا ہے اور ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ کیا اس مذہبی اور سیاسی تفرقہ بازی کا انجام آپ خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے؟

دُنیا کو اتحاد کا سبق دینے والے آج خود منتشر ہیں اور جو منتشر تھے، آج اتحادی بنے ہوئے ہیں یعنی انکا یہ اتحاد وقت کی مجبوری کی وجہ سے ہے۔ اگر اُمّت متحد ہو جائے جسکی بنیاد ذاتی مصلحت پر نہیں بلکہ ایمانی خلوص پر ہو تو دُشمن کا اتحاد ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

○.....○.....○

حدیث ۲۷: عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۵۰۳)

ترجمہ : حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیعت نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کیلئے اخلاص پر کی''۔

نوٹ: مسلمان بھائی کے حقوق کی ادائیگی کی بنیاد اِخلاص پر مبنی ہے۔ اگر نیّت میں اِخلاص ہوگا تو وہ انسان حقوق کا علم بھی حاصل کرے گا اور ادائیگی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ اگر نیّت میں خلوص نہیں ہے تو یہ منافقت ہے۔ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کام مجبوری میں کر بھی دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا کیونکہ قبولیت کی شرط خلوصِ نیّت ہے۔

خلوص سچائی پر منحصر ہے۔ اگر آپکو سچ بولنے کی عادت ہے تو آپ سب کے ساتھ پُرخلوص ہوں گے۔ اگر روزمرہ کے معاملات میں جھوٹ بولنے کی عادت ہے تو دِل میں خلوص پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر آپ اس راستے پر چلنا چاہتے ہیں جو جنت کو جاتا ہے **تو سچ بولنے کی عادت ڈالیں** پھر آپکے کلمہ طیبہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور حقوق العباد (خدمت خلق) میں اِخلاص ازخود پیدا ہو جائے گا۔

○.....○.....○

حدیث ۲۸: قَالَ الْوَلِیْدُ بْنُ الْعِیْزَارِ اَخْبَرَنِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَمْرِو الشَّیْبَانِیَّ یَقُوْلُ حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ وَاَشَارَ اِلٰی دَارِ عَبْدِاللّٰه قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰی وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ اَیّ'' قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قَالَ ثُمَّ اَیّ'' قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُه' لَزَادَنِیْ۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۵۰۶)

ترجمہ: حضرت ولید بن عیزار نے کہا، میں نے حضرت ابوعمر شیبانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں اس گھر کے مالک نے خبر دی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں نے فرمایا، ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا''۔ عرض کی، ''پھر کونسا؟'' فرمایا، ''پھر ماں باپ سے نیکی کرنا''۔ پوچھا، ''پھر کونسا؟'' فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد (جدوجہد) کرنا''۔ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور زیادہ طلب کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زیادہ فرماتے''۔

نوٹ: ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو نماز کے بعد جو عمل سب سے زیادہ محبوب ہے، وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہے حتیٰ کہ روزہ، زکوٰۃ اور حج سے بھی زیادہ محبوب بلکہ جہاد کا درجہ بھی اس سے کم ہے۔

قرآن حکیم میں شرک سے بیزاری کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے والدین کی خدمت کو اوّلین ترجیح دی ہے۔ ''وَاعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا .....'' (النساء۴، آیت ۳۶) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ اور اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرو.....''۔

''وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا

وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ''(بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۳-۲۴)

ترجمہ ''اور تیرے رَب تعالیٰ نے حکم دے رَکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رَبّ) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا۔ اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تُو ان سے ''اُفّ'' بھی نہ کہنا اور نہ انکو جھڑکنا اور ان سے اَدب کے ساتھ بات چیت کرنا اور انکے سامنے محبت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور دُعا کرتے رہنا کہ ''اے میرے رَبّ! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا (یعنی مجھ پر رحم کیا)''۔

ذرا ہم اپنے ماحول کا اندازہ لیتے ہیں۔ آج کا نوجوان خواہ وہ مدرسے کا طالبعلم ہو یا سکول و کالج کا، اپنے والدین کے احترام کے شعور سے بالکل خالی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں بیشمار خامیاں ہیں۔ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اُستاد کی تربیت مفقود ہے۔ اُستاد طلبہ کیلئے ایک ماڈل کی حیثیت رَکھتا ہے۔ اگر ماڈل ہی غیر معیاری ہوگا تو طلبہ کا معیار کیسے بلند کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ ہمارا پورا نظامِ تعلیم انتشار کا شکار ہے۔ تیسری بڑی خامی یہ ہے کہ ٹیکسٹ بکس کا معیار بہت ہی پست ہے۔

ان تمام خامیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران خواہ وہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی، خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۲۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّه‘ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَرَأَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُوْلُ ذٰلِکَ یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِهٖ قَالُوْا لَایُبْقِیْ مِنْ دَرَنِهٖ شَیْئًا قَالَ فَذٰالِکَ مِثْلُ الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ یَمْحُوْا اللّٰهُ بِهَا الْخَطَایَا ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۵۰۷)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''تم بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو جس سے وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے۔ یہ غسل اس پر میل باقی رہنے دے گا؟'' لوگوں نے کہا، ''یہ تو اسکے میل سے کوئی شئے باقی نہ چھوڑے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ انکے ساتھ اللہ تعالیٰ سب خطائیں مٹا دیتا ہے''۔

نوٹ: نماز پڑھنے سے **گناہ معاف** ہو جاتے ہیں اور **دوسری نماز تک بُرائی سے بچنے کی توفیق ملتی** ہے۔ **نیک عمل کرنے کا حوصلہ** پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح سارے دِن رات میں اللہ تعالیٰ انسان کو نماز کے ذریعے پاک فرماتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا **محبوب ترین عمل** نماز ہے۔ جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ نماز نہیں پڑھتے تو اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی **رضا میں مغفرت** ہے اور **اسکی ناراضگی میں ہلاکت** ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے آپ پر خوش ہوتا ہے تو وہ **دین و دُنیا** کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اسکے برعکس اگر آپ نماز سے دُور رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتوں کو ایسے انسان سے دُور رکھتا ہے اور پھر وہ **دُنیا کی مصیبتوں** میں ایسے جکڑا جاتا ہے جسکا کوئی حل نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ جہنم کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے۔

نماز کی بنیادی صفت یہ ہے کہ ''.....**اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ**

وَالْمُنْكَرِ .....'' (العنکبوت ۲۹، آیت ۴۵) ترجمہ'' ..... یقیناً نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے.....''۔

اگر نماز پڑھیں گے تو ناشائستہ کاموں سے رُک جائیں گے۔ اگر نہیں پڑھیں گے تو بُرے کام کرتے جائیں گے اور آپکو اسکا شعور بھی نہیں ہوگا کہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں واضح طور پر پھنس جائیں گے۔ اس وقت نہ کوئی سفارش کام آئے گی نہ رشوت اور آخرت میں ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگر مالک ناراض ہوجائے تو آخرت کی زندگی بھی کٹھن ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بار بار فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچو، ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ..... ''(التوبۃ ۹، آیت ۱۱۹) ترجمہ'' اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو.....''۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کا پہلا قدم وقت پر نمازوں کی پابندی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو انسان کا سب سے محبوب عمل نماز کا وقت پر ادا کرنا ہے۔

یہ یاد رہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کی نسبت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ۲۵ گنا زیادہ اَجر ملتا ہے۔

نماز مؤمن کی زندگی کا محور ہے۔ اگر محور غائب ہے تو ایمان بھی غائب ہے۔ اگر ایمان غائب ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی غائب ہے، ''وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝'' (آلِ عمران ۳، آیت ۶۸) ترجمہ'' میں مؤمنین کا حامی و مددگار ہوں''۔

۝.....۝.....۝

حدیث ۳۰: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ.....۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۵۲۹)

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا کہ اسکا گھر بار اور مال لٹ گیا.....''۔

نوٹ: یعنی جتنا نقصان اس دُنیا میں انسان کو اپنی ساری پونجی اور گھر بار سے ہاتھ دھو بیٹھنے سے ہوتا ہے، ایسا ہی نقصان آخرت کی زندگی میں عصر کی نماز نہ پڑھنے سے ہوتا ہے۔

''عصر'' کا وقت بھرپور کاروبار کا وقت ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت رَکھتا ہے، وہ عصر کی نماز کو کاروبار پر ترجیح دیتا ہے۔ کچھ وقفے کیلئے اپنے کاروبار کو بند کرسکتا ہے۔ جو دُنیا سے محبت رَکھتا ہے، وہ کاروبار کو نہیں چھوڑے گا لیکن نماز کو چھوڑ دے گا یا نماز مسجد میں نہیں ادا کرے گا۔ روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگِ خندق کے موقع پر کافروں کو گالی دی کہ انہوں نے ہماری عصر کی نماز قضا کردی۔ یہ اتنا بڑا نقصان تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخلاق کے بلند ترین پیمانہ پر ہونے کے باجود اپنے غصے پر قابو نہ رَکھ سکے۔

○.....○.....○

حدیث۳۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَآئِکَةٌ" بِاللَّیْلِ وَمَلَآئِکَةٌ" بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث۵۳۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''رات اور دِن کے فرشتے تم میں باری باری آتے جاتے ہیں اور فجر اور عصر کی نماز کے وقت میں وہ جمع ہوتے ہیں پھر جو فرشتے تم میں رات گزارتے ہیں، وہ آسمانوں پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے۔ فرشتو! تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انکو نماز میں چھوڑا اور جب انکے پاس گئے تو وہ نماز میں مشغول تھے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف سے فجر اور عصر کی نمازوں کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔

نماز انسان کی پوری زندگی کا محور ہے۔ اگر نماز درست ہو جائے تو انسان کے باقی تمام معاملات اور عبادات درست ہو جاتے ہیں۔ اگر نماز درست نہیں ہے تو باقی کام بھی درست نہیں ہوں گے۔ نماز کی درستگی یہ ہے کہ اسکو بہترین طریقہ سے ادا کیا جائے گویا کہ آپ اس حالت میں نماز پڑھ رہے ہیں کہ آپ اللہ رَبّ العزت کو دیکھ رہے ہیں۔ گو آپ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن یہ یقین رَکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپکو دیکھ رہا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، حدیث جبریل علیہ السلام)

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ''جس نے فجر کی نماز (باجماعت) پڑھی، وہ اللہ تعالیٰ کی (سارا دِن) پناہ میں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ توڑو''۔ (جامع ترمذی، باب۱۶۳، عشاء اور فجر کی نماز کی فضیلت)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی، اس کیلئے آدھی رات (کی عبادت) کا ثواب ہے اور جس نے عشاء اور فجر دونوں جماعت کے ساتھ پڑھیں گویا کہ ساری رات جاگا (یعنی پوری رات عبادت کرنے کا ثواب ہے)''۔ (جامع ترمذی، باب ۱۶۳، عشاء اور فجر کی نماز کی فضیلت)

○.....○.....○

حدیث ۳۲: عَنْ اَبِیْ بَرْزَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ یَکْرَہُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَآءِ وَالْحَدِیْثَ بَعْدَھَا۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۵۴۶)

ترجمہ: حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور اسکے بعد باتوں کو مکروہ جانتے تھے۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں لوگ عشاء کی نماز کے بعد سو جاتے تھے۔اس وقت مغرب کے بعد کوئی کاروبار نہیں ہوتا تھا۔عشاء کے بعد جلدی سونے کا فائدہ یہ ہے کہ انسان تہجد کیلئے آسانی سے اُٹھ سکتا ہے۔

عشاء کے بعد قرآن حکیم اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم یا اپنے کاروبار کے متعلق مشاورت کیلئے جاگنا درست ہے لیکن اتنی دیر نہیں جاگنا چاہیے کہ تہجد کیلئے اُٹھنے میں دُشواری آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن باتوں سے منع فرمایا، وہ وہ باتیں ہیں جنکا دُنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔

آج کل دیہاتوں میں تو اکثر لوگ عشاء کے بعد سو جاتے ہیں لیکن جن لوگوں کے پاس ٹی وی ہے، وہ دیر تک جاگتے رہتے ہیں اور فجر کی نماز بھی فوت کر دیتے ہیں۔شہروں میں کاروبار گیارہ بارہ بجے رات تک جاری رہتا ہے۔غیر کاروباری لوگ ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر رات دیر تک جاگتے رہتے ہیں اور فجر کی نماز کم ہی ادا کرتے ہیں۔

تہجد کا تو آجکل رواج ہی نہیں رہا۔تہجد اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم تحفہ ہے۔تاریخ میں کوئی صحابی ایسا نہیں ملتا جو تہجد نہیں پڑھتا تھا۔اپنی نیند کو چھوڑ کر جو کہ انسان کو بہت پیاری ہے، اللہ ربّ العزت کے حضور چند منٹ کیلئے حاضر ہو جانے سے دُنیا اور آخرت کے تمام کام سنور جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں کاروبار کا ایک غلط طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ کاروبار کہیں دِن کے گیارہ بارہ بجے شروع کیا جاتا ہے اور رات کے بارہ بجے تک چلتا رہتا ہے۔یہ طریقہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔قرآن حکیم میں ہے کہ دِن ہم نے معاش کیلئے بنایا اور رات آرام کیلئے بنائی ''وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا ○ وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ○

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○ ''(النبا۷۸، آیت۹-۱۰-۱۱) ترجمہ ''اور ہم نے تمہارے لیے نیند کو راحت، رات کو پردہ اور دِن کو معاش (کاوقت) بنایا''۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبح میں برکت رَکھی ہے۔ جب ہم فجر کی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو یہ دُعا پڑھتے ہیں ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ ''ترجمہ ''یا اللہ جل جلالہٗ! میں تجھ سے تیرا فضل اور تیری رحمت طلب کرتا ہوں''۔ یہاں فضل سے مراد رزق ہے جو زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رَکھتا ہے۔ اس دُعا کے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اب میں کاروبارِ زندگی شروع کرنے والا ہوں تو اے اللہ رَبّ العزت! اس میں برکت عطا فرما۔

سارا یورپ اس قانونِ فطرت کے مطابق چل رہا ہے۔ وہ اپنا کاروبار ٹھیک نو (۹) بجے شروع کرتے ہیں اور پانچ (۵) بجے بند کر دیتے ہیں سوائے چند ایک سپر سٹورز کے لیکن ہم قرآن حکیم رَکھتے ہوئے بھی حکمت کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے کاروبارِ زندگی کو قانونِ فطرت کے مطابق استوار کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی برکات ہمارے شامل حال رہیں گی اور ہماری معاشیات ترقی پذیر ہوگی۔

○.....○.....○

حدیث ۳۳: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ جَلَبَۃَ رِجَالٍ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ مَا شَانُکُمْ قَالُوْا اِسْتَعْجَلْنَا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِذَا اَتَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَۃُ فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا ۔(تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۶۱۲)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک وقت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کے قدموں کی آواز سنی جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا، ''تمہارا کیا حال ہے؟'' انہوں نے عرض کی، ''ہم نماز کیلئے جلدی جلدی آ رہے تھے''۔ فرمایا، ''ایسا مت کرو۔ جب نماز کیلئے آؤ تو **اطمینان وسکون** کو لازم پکڑو۔ جو پالو، پڑھ لو اور جو تم سے فوت ہو جائے، اسے پوری کرلو''۔

نوٹ: **اطمینان اور وقار** اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اَشج عبدالقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا، ''**ان فیک لخصلتین یحبھما اللّٰہ ورسولہ' صلی اللّٰہ علیہ والہٖ وسلم : الحلم والأناۃ**'' ''تم میں دو (۲) خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند ہیں، حلم و بردباری اور عدم عجلت'' (**الضوابط الشرعیۃ لموقف المسلم فی الفتن** از معالی الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''قیامت کے قریب زمانے میں انسان ایسے ہوگا گویا کہ ہاتھ میں آگ کا انگارہ پکڑا ہوا ہے'' یعنی ہر وقت بے چین اور مضطرب۔

قرآن حکیم میں ہے کہ ''**وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○**''(الفرقان ۲۵، آیت ۶۳) ترجمہ ''رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر بڑے آرام، سکون، عجز اور انکساری سے چلتے ہیں۔ جب جاہل ان سے اُلجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں

سلام'' یعنی انکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ''میں اُلجھنے کو پسند نہیں کرتا۔ آپ اپنا راستہ لیں، میں اپنے راستے پر چلتا ہوں''۔

ہمارا چلنا اطمینان اور وقار سے بالکل خالی ہے۔ آرام، سکون، عجز اور انکساری ہمارے تحت الشعور میں بھی نہیں ہے۔ ہم پیدل ہوں یا ڈرائیونگ کر رَہے ہوں، تیزی، اضطراری، بے چینی کی ہمیں ایسی عادت پڑ گئی ہے گویا کہ ہم نے ہاتھ میں آگ کا انگارہ پکڑا ہوا ہے۔ **ہمارا یہ طریقہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے** اور اسکے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں کہ ہماری **ٹریفک کا انتشار** اور **بے ہنگم پن** ماہانہ ہزاروں جانوں اور اربوں روپوں کے نقصان کا موجب بنتا ہے۔ اسکے علاوہ **غیر منظّم ٹریفک، غیر منظّم قوم کی نشاندہی** کرتی ہے۔ کیا غیر منظّم رَہ کر ہم ترقی کر سکتے ہیں؟ لیکن افسوس کی بات ہے کہ جن ہاتھوں نے قوم کو منظّم کرنا ہوتا ہے، وہ خود ہی نظام کو **بگاڑنے پر تُلے** ہوئے ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۳۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَآءً حَتّٰی لَا تَعْلَمُ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ۔
(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۶۳۲)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا جس روز اسکے عرش کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ (۱) امام عادل، (۲) وہ نوجوان جسکی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بسر ہوئی ہو، (۳) وہ شخص جسکا دِل مساجد سے اٹکا ہو، (۴) وہ دو شخص جو آپس میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملتے ہیں اور اس پر جدا ہوتے ہیں، (۵) وہ شخص جسے خوبصورت عورت بدکاری کی طرف بلائے تو وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، (۶) وہ شخص جو تنہائی میں صدقہ کرتے وقت چھپائے حتیٰ کہ اسکا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور (۷) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اسکی آنکھیں آنسو بہائیں''۔

نوٹ: ذرا غور کریں کہ **امام عادل** کو سب سے پہلے جگہ دی گئی ہے۔ دراَصل عدل ہی ایک ایسی چیز ہے جو کہ **تمام عبادات** اور **معاملات** کا مقصود ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام عدل قائم کرنے کیلئے ہی بھیجے گئے ہیں (الحدید ۵۷، آیت ۲۵) اور ساری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے، عدل پر قائم ہے۔
اس سے ظاہر ہے کہ جو لیڈر عدل کو قائم کرنے کیلئے اَنتھک محنت کرتا ہے، وہ

کائنات کے قیام میں مددگار بنتا ہے اور جو لیڈر عدل کو ختم کرنے کے دَرپے ہوتا ہے، وہ دراَصل کائنات کو تباہی کے دہانے کی طرف لے جا رَہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امامِ عادل کا مقام جنت اور امامِ غیر عادل کا مقام جہنم ہے۔

ذرا اپنے لیڈروں پر نظر ڈالیں کہ وہ عدل قائم کرنے میں کس قدر پُرخلوص اور کوشاں ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق وہ سراسر خلوص سے خالی ہیں اور ان کی کوششیں دراَصل عدل کے راستے کو روکنے کے لیے ہوتی ہیں۔ وہ سراسر فساد مچانے والے ہیں لیکن خیال کرتے ہیں کہ ہم انصاف کر رہے ہیں، یہ ان کا زُعم باطل ہے۔ اگر ہم نے دُنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو ہمیں ان لیڈروں کو پسند کرنا چاہیے اور حکمرانی کا موقعہ دینا چاہیے جو فساد کے بجائے حقیقی معنوں میں عدل وانصاف کرنے کی کوشش کریں۔

○.....○.....○

حدیث ۳۵: عَنْ اَبِیْ سَلْمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ جَآءَ تْ سَحَابَۃٌ فَمَطَرَتْ حَتّٰی سَأَلَ السَّقْفُ وَ کَانَ مِنْ جَرِیْدِ النَّخْلِ فَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَرَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْجُدُ فِیْ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ حَتّٰی رَأَیْتُ اَثَرَ الطِّیْنِ فِیْ جَبْھَتِہٖ ۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۶۴۱)

ترجمہ : حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا، بادل آیا اور برسا حتیٰ کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی کیونکہ وہ کھجور کی چھڑیوں کی بنی ہوئی تھی اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی اور مٹی میں سجدہ فرماتے تھے حتیٰ کہ میں نے مٹی کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک پر خود دیکھا''۔

نوٹ: اللہ اللہ! کتنی سادہ مسجد اور نماز کا کیسا جذبہ۔ کوئی پرواہ نہیں کیچڑ کی، پانی کی۔ اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ کے سامنے کیچڑ میں سجدہ ریز ہونے میں ذرا بھی تردّد نہیں فرماتے۔ نہ ہی کوئی گلہ شکوہ زبان پر لاتے ہیں۔ ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ایسے مشغول ہیں کہ اپنی ذات کی کوئی فکر نہیں۔ یہی تربیت تھی جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دُنیا کی سپر پاور بنا دیا تھا۔ کوئی قوم اور کوئی قوت انکے سامنے ٹھہرتی نہیں تھی، ''تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا (ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بانگ دَرا)

دو نیم انکی ٹھوکر سے صحرا و دَریا ..... سمٹ کر پہاڑ انکی ہیبت سے رائی

ذرا ہماری مسجدوں کا حال دیکھئے۔ پبلک کا تمام فنڈ مسجد کو خوبصورت سے خوبصورت تر بنانے میں لگا دیا جاتا ہے۔ تعلیم اور نمازی کی تربیت کیلئے نہ کوئی نظام ہے اور نہ کوئی لیڈر۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک غیر منظّم قوم بن چکے ہیں اور دُنیا میں ہمارا کوئی وزن نہیں رہا۔ نمازی کی تربیت تعلیم اور عملی اقدامات سے ہوتی ہے، نہ کہ مسجد کے تزیّن سے۔

حدیث۳۶: قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفُنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ۔ (تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۶۸۷)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''تم اپنی صفوں کو سیدھا رَکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلافات پیدا فرمادے گا''۔

نوٹ: شاہی دربار کا پہلا اَدب یہ ہے کہ غلام بادشاہ کے حضور کیسے داخل ہوتا ہے اور کس طرح بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے؟ کیا وہ وقار اور تنظیم کے ساتھ، عجز اور انکساری کے ساتھ حاضر ہوتا ہے یا کہ ذہنی اور جسمانی طور پر غیر منظّم، بے وقار اور متکبرانہ رویّہ سے؟ پہلا طریقہ شہنشاہِ ارض وسماوات کو پسند ہے جبکہ دوسرا طریقہ ناپسند کیونکہ یہ شیطان کا طریقہ ہے۔ ابلیس کو جب انسان کو سجدہ کرنے کیلئے کہا گیا تو وہ اللہ رَبّ العزت کے دربار میں متکبرانہ رویّہ سے داخل ہوا۔ وقار کو چھوڑ کر غیر منظّم طریقہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو اس انداز سے کی گویا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑا ہے۔ دربار کی اس طرح بے خوف حاضری شاہی آداب کے خلاف تھی تو اللہ جل جلالہٗ نے اس پر ہمیشہ کیلئے اپنی لعنت فرمادی۔

نماز کیا ہے؟ یہ اللہ جل شانہٗ کے دربار میں حاضری ہے۔ اگر ہم منظّم طریقے سے اور عجز وانکساری سے اللہ جل جلالہٗ کے دربار میں کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اسکو پسند فرمائے گا اور اُمید ہے کہ ہماری حاضری کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔ اسکے برعکس اگر ہمارا کھڑا ہونا بنیادی آدابِ دربارِ شہنشاہی کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو ہم کیسے ٹال سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، ''نماز میں صفوں کو سیدھا رَکھا کرو ورنہ تمہارے دِل ٹیڑھے ہو جائیں گے''۔ اللہ تعالیٰ کو انسان کا محبوب ترین عمل نماز ہے۔ اگر ہم نماز میں ڈسپلن کو اختیار نہیں کر سکتے تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہم کیسے منظّم ہو سکتے ہیں؟ یہ آپکا اور میرا مشاہدہ ہے کہ ہماری قوم میں بدامنی اور انتشار انتہا کو پہنچ چکا ہے جسکی وجہ سے ہم بے شمار مسائل کا سامنا کر رَہے ہیں۔ اگر ہم نماز کے وقت صفوں کو سیدھا

رَکھنا سیکھ لیں اور اسکو اپنی عملی زندگی میں اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کریں تو ہمارا یہ انتشار آہستہ آہستہ ایک نا قابل تسخیر ڈسپلن میں بدل سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ رَبّ العزت نے صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم کھائی ہے۔''وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ''(الصّٰفّٰت ۳۷، آیت ۱) ترجمہ''قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی''۔اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صف بندی کتنا عظیم عمل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ تم نماز میں ایسے جڑ جڑ کر (یعنی سیدھی صف بنا کر) کھڑے ہوا کرو جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے جڑ جڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ترتیب اور تنظیم کائنات کی بقا کے لیے انتہائی ضروری ہے۔نظامِ صلوٰۃ کا پورا عمل ترتیب (ڈسپلن) پر منحصر ہے۔اگر ہم اس ڈسپلن (ترتیب) کو اُلٹ دیں تو ہماری نماز اللہ جل جلالہٗ کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی۔نماز میں صف کا سیدھا رکھنا ایسے ہی ہے جیسے جسم میں دِل کا سیدھا رکھنا۔

اگر انسان کا دِل سیدھا ہو یعنی عقیدہ، خیالات اور نیّت درست ہو تو جسم سے جو عمل صادر ہوں گے، درست سمت میں ہوں گے۔قرآن حکیم میں ہے،''رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ''(آل عمران ۳، آیت ۸) ترجمہ''ہدایت دینے کے بعد ہمارے دِل ٹیڑھے نہ کر دینا''یعنی اے اللہ رَبّ العزت! ایمان لانے کے بعد ہمارے عقائد، خیالات اور نیّت صحیح سمت میں رَکھنے پر ہماری مدد فرمانا۔اگر دِل میں ڈسپلن کا دھیان ہوگا تو نمازیں اور پوری زندگی میں ڈسپلن پیدا ہوتا جائے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ڈیوٹی ہوتی تھی جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں صف سیدھی فرماتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بذاتِ خود کئی دفعہ اپنے ہاتھ سے صفوں کو سیدھا فرمایا کرتے تھے۔

اگر ہم نماز میں صف سیدھی رکھنے کی حکمت سیکھ جائیں تو ہم ایک مضبوط اور منظّم قوم کی حیثیت سے اُبھر سکتے ہیں لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

وہ دِل وہ آرزو باقی نہیں ہے ..... مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دِل پریشاں سجدہ بے ذوق ..... کہ جذبے اندروں باقی نہیں ہیں

حدیث ۳۷: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ'' فَصَلّٰی فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَرَدَّ وَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰی کَمَا صَلّٰی ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ ثَلٰثًا فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ ثَلٰثًا فَقَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَیْرَهٗ فَعَلِّمْنِیْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَآئِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ فِیْ صَلَاتِکَ کُلِّهَا۔

(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۷۲۶)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد شریف میں داخل ہوئے تو ایک شخص آیا، اس نے نماز پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکا جواب دیا اور فرمایا، ''لوٹ جا اور نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی''۔ وہ شخص لوٹا اور نماز پڑھی جیسے پہلے نماز پڑھی تھی۔ پھر آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''لوٹ جا اور نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی''۔ تین بار اس طرح ہوا تو اس شخص نے کہا، ''اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اسکے سوا میں نماز اچھی نہیں پڑھ سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تعلیم دیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ۔ پھر جو بھی قرآن آسانی سے پڑھ سکو، وہ پڑھو پھر رکوع کرو حتیٰ کہ رکوع اطمینان سے کرو پھر سر اُٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے سیدھے کھڑے رہو۔ پھر سجدہ

کروحتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر اُٹھوحتیٰ کہ اطمینان سے جلسہ کرو۔ ساری نماز اس طرح پڑھو''۔

نوٹ: یہ حدیث شریف بالکل واضح ہے۔ اس میں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ نماز کو آہستہ آہستہ آرام اور سکون سے پڑھنا چاہیے۔ نماز کا ہر رُکن اطمینان سے اَدا کرنا چاہیے۔ جلدی جلدی رکوع سجدے وغیرہ کرنا صحیح نماز نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''میں تم کو نماز پڑھنے میں کمی نہیں کروں گا۔ جس طرح میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیں نماز پڑھاتے دیکھا ہے''۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نماز میں) ایک شئے فرماتے تھے، میں نے تم کو وہ کرتے نہیں دیکھا۔ وہ جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو کھڑے رہتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا کہ وہ بھول گئے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھتے کہ کہنے والا کہتا کہ وہ بھول گئے ہیں'' (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث نمبر ۷۸۷)

ہمیں اپنی نمازوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ ہم بہت تیزی سے نماز کو ختم کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں جب کہ یہ احادیث مبارکہ بتا رہی ہیں کہ نماز کو آہستہ آہستہ سکون سے اَدا کرنا چاہیے۔

○.....○.....○

حدیث ۳۸: عَنْ عُقْبَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ صَلَّیْتُ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ اِلٰی بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاس مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ فَرَاٰی اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ فَقَالَ ذَکَرْتُ شَیْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَ مَا فَکَرِهْتُ اَنْ یَحْبِسَنِیْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۸۱۳)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے مدینہ منورہ میں عصر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا پھر جلدی سے اُٹھے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے ایک اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلدی سے لوگ گھبرائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے پاس تشریف لائے تو انکو دیکھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلدی سے متعجب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'مجھے یاد آیا کہ کچھ سونا ہمارے پاس ابھی تک پڑا ہے۔ میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ وہ مجھے (توجہ اِلی اللہ سے) روکے تو میں نے اسکی تقسیم کا حکم دیا''۔

نوٹ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں دولت کو روکے رَکھنا کبھی پسند نہیں فرمایا۔ جو ہدایہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تھے، وہ فوراً غرباء کو خیرات فرما دیتے تھے۔ اس معمول پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی سختی سے پابند تھے کہ اکثر اوقات اپنے لیے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ اس درجہ کی فیاضی کسی غیر نبی کے بس کی بات نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو میانہ روی اختیار کرنے کی ترغیب فرمائی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیمار ہوئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ''کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''نہیں!''۔ پھر انہوں نے آدھے مال کو صدقہ کرنے کی

اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں عطا فرمائی۔ پھر تہائی مال کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت تو عطا فرمادی لیکن فرمایا کہ ''یہ بھی بہت زیادہ ہے'' (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۲۲۱)۔

اسی طرح عام انسان کیلئے اللہ رَبّ العزت نے بھی میانہ روی کو پسند فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ''**وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝**'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۹) ترجمہ ''اپنے ہاتھوں کو نہ تو گریبان سے باندھے رکھو اور نہ انکو کھلا چھوڑ دو ورنہ تم ملامت زدہ، تہی دست ہو کر بیٹھ جاؤ گے''۔

مال کو خرچ کرنے سے معیشت میں جان آتی ہے اور جمع کرنے سے معیشت میں جمود آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بینکنگ کا سسٹم نہیں تھا۔ ہر شخص انفرادی طور پر اپنے مال کو ملکی معیشت میں لگا دیتا تھا۔ آج کل کے زمانے میں بینکنگ کی بنیاد دراَصل اس بات پر بنائی گئی تھی کہ لوگوں کے بچے ہوئے پیسے کو جمع کر کے مجموعی طور پر ترقیاتی کاموں میں لگایا جائے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس ادارے نے یوٹرن (U Turn) لے کر اسکو سودی کاروبار بنا دیا۔ اب بینکنگ کے کاروبار کا مقصد وہ نہیں رہا جس مقصد کیلئے یہ بنایا گیا تھا۔ سود شامل ہونے کی وجہ سے ایک انتہائی مفید ادارہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ بن گیا۔ اگر ہم خلوص سے کوشش کریں تو بینکنگ کے نظام کو بھی سود سے پاک کیا جا سکتا ہے لیکن یاد رَہے کہ نام بدلنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ اصول بدلنے پڑیں گے اور انکو قرآن حکیم اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں وضع کرنا ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث۳۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَکَاَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّانِیَةِ فَکَاَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَکَاَنَّمَا قَرَّبَ کَبْشًا اَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَکَاَنَّمَا قَرَّبَ دُجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِی السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَکَاَنَّمَا قَرَّبَ بَیْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَآئِکَةُ یَسْتَمِعُوْنَ الذِّکْرَ ۔(تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث۸۴۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے جمعہ کے روز جنابت کے غسل جیسا غسل کیا پھر وہ جمعہ کی نماز کیلئے گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی اور جو دوسری ساعت میں گیا تو اس نے گائے کی قربانی دی۔ جو تیسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی دی۔ جو چوتھی ساعت میں گیا تو گویا اس نے مرغی صدقہ کی اور جو پانچویں ساعت میں گیا تو گویا اس نے انڈا صدقہ کیا اور جب امام خطبہ کیلئے آئے تو فرشتے مسجد میں آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سنتے ہیں''۔

نوٹ: جمعہ کے روز غسل کی ترغیب دی گئی ہے اور جمعہ کی نماز کیلئے جلدی جانے کا شوق دلایا گیا ہے۔ سب سے زیادہ ثواب کا مستحق وہ ہوگا جو سب سے پہلے جمعہ کیلئے حاضر ہوتا ہے اور سب سے کم ثواب اسکو ہوگا جو آخر میں آتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے وقت فرشتے حاضرین کا نام لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب امام خطبہ شروع کرتا ہے تو وہ اپنا رجسٹر لپیٹ لیتے ہیں اور مسجد میں حاضر ہو کر خطبہ سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خطبہ کے بعد آنے والے لوگ شاید جمعہ کی حاضری سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک غائب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جمعہ کی حاضر کیلئے خاص طور پر تاکید فرمائی ہے کہ اپنا کاروبارِ زندگی چھوڑ کر جمعہ کی نماز کیلئے بھاگو اور جب نماز ختم کرلو تو (ہم تمہیں مزید روکتے نہیں) اپنا کاروبار پھر شروع کر دو۔ (دیکھیں سورۃ الجمعہ ۶۲، آیت ۹ تا ۱۱)

حدیث ۴۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ اَوْ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلَی النَّاسِ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ مَعَ کُلِّ صَلٰوةٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۸۴۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر مجھے اپنی اُمت یا لوگوں پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو انکو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''۔

نوٹ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ وضو کے وقت مسواک کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ ''دَس (۱۰) چیزیں نبیوں کی سنّت رہی ہیں، ان میں ایک مسواک کرنا تھی''۔ (مشکوٰۃ، جلد اوّل، حدیث ۳۴۹) ایک دوسری حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''مسواک اللہ جل جلالہٗ کی رَضا کا سبب ہے''۔ (مشکوٰۃ، جلد اوّل، حدیث ۳۵۰)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام جب بھی آئے تو مجھ سے مسواک کرنے کا کہا حتیٰ کہ میں ڈَر کی وجہ سے اتنی زیادہ مسواک کرتا جس سے مسوڑھے زخمی ہو جاتے''۔ (احمد، مشکوٰۃ، جلد اوّل، حدیث ۳۵۵) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نماز کیلئے مسواک کی جائے، وہ ثواب میں اس نماز سے ستّر (۷۰) گنا زیادہ ہے جسکے لیے مسواک نہ کی جائے''۔ (بیہقی، شعب الایمان)

○.....○.....○

حدیث ۴۱: اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا یَقُوْلُ نَھَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَنْ یُقِیْمَ الرَجُلُ اَخَاہُ مِنْ مَقْعَدِہٖ وَیَجْلِسَ فِیْہِ قُلْتُ لِنَافِعٍ الجُمُعَۃَ قَالَ الْجُمُعَۃَ وَغَیْرَھَا ۔(تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۸۷۱)

ترجمہ : حضرت ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ''کوئی شخص اپنے بھائی کو اسکی جگہ سے اُٹھا کر خود وہاں بیٹھ جائے''۔ حضرت ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، 'کیا یہ جمعہ کے وقت کیلئے ہے؟' انہوں نے فرمایا، 'جمعہ اور اسکے علاوہ بھی (یعنی ہر نماز میں اور ہر مجلس میں)''۔

نوٹ : یہ اخلاقیات کا سبق ہے، مسجد کی زمین سب کیلئے برابر ہے۔ ہر انسان کا برابر کا حق ہے، جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے کو اُٹھ جانے کیلئے کہے۔ اس میں عالم اور غیر عالم سب مساوی ہیں۔ حکمران اور عوام سب برابر ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

مساوات کا یہی سبق ہمارے لیے مسجد سے باہر بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر انسان کا جو حق بنتا ہے، اس پر دست درازی نہ کی جائے لیکن زمینی حقائق یہ ہیں کہ پورے معاشرے میں غیر مساویانہ سلوک کا رواج پڑا ہوا ہے جو کہ سراسر قرآن حکیم اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے۔ کیا ہم اس طرح عدل کو پامال کر کے ترقی کر سکتے ہیں؟

حد درجہ افسوس کی بات ہے کہ جن کو عوام کے حقوق کے تحفظ کیلئے اسمبلیوں میں بھیجا جاتا ہے، وہی سب سے زیادہ حقوق کو غصب کرنے والے بن جاتے ہیں۔

حدیث ۴۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَة رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْل اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَآء الدُّنْیَا حِیْنَ یبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ یَقُوْلُ مَنْ یَدْعُوْنِیْ فَاسْتَجِیْبُ لَهٗ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ فَأُعْطِیَهٗ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۰۸۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہمارا رَبّ تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دُنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے تو فرماتا ہے، 'کون ہے جو مجھ سے دُعا کرے، میں اسکی دُعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اسکو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے، میں اسکو بخش دوں؟''

نوٹ: یہاں تہجد کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ رات کے آخری حصہ میں جو کہ گہری نیند کا وقت ہوتا ہے، اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا بہت ہی بابرکت عمل ہے۔ ایسے شخص پر اللہ رَبّ العزت خاص توجہ فرماتا ہے اور اسکی دُعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ تہجد کا وقت (اور جمعہ کے روز میں ایک گھڑی) قبولیتِ دُعا کا وقت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، ''رات کو جاگنے کیلئے قیلولہ سے مدد لو''۔

ہم نے جب روزمرہ کے کاروبار کے نظام کو غیر فطری بنا دیا ہے یعنی صبح کو دیر سے کاروبار شروع کرنا اور رات کو دیر تک جاگتے رہنا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تہجد کے لیے اُٹھ سکیں۔

ہمیں اپنے طریقہءِ زندگی کو قانونِ فطرت کے مطابق استوار کرنا چاہیے۔ کاروبارِ زندگی صبح جلدی شروع کرنا چاہیے اور غروبِ آفتاب کے ساتھ بند کر دینا چاہیے۔ جب ہم فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو ہمیں سکھایا گیا ہے کہ یہ دُعا کریں، ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ'' ترجمہ ''اے اللہ تعالیٰ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے فضل (رزق) اور رحمت کا''۔ اس میں پیغام یہ دیا گیا ہے کہ اب

اپنا کاروبار یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اور روزی تلاش کرنے کیلئے کام میں لگ جاؤ۔ کاروبار غروب تک جاری رکھیں اور اس دوران نمازِ ظہر، عصر اور مغرب پابندی سے ادا کریں۔ آفتاب غروب ہوتے ہی کاروبار سمیٹ لیں اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آج کل کی سب سے بڑی بُرائی پھیلانے والی مشین یعنی ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ کر اپنا وقت ضائع نہ کریں اور بُرائی نہ کمائیں البتہ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کیلئے خبروں کا سن لینا ضیاعِ وقت تصور نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ عشاء کی نماز کے بعد سونے میں جلدی کریں گے تو تہجد کے لیے اُٹھنے کا شوق بھی پیدا ہو جائے گا۔ تہجد کی بے شمار برکات ہیں جنکا ان صفحوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ تہجد کا وقت قبولیتِ دُعا کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ چوبیس گھنٹوں میں کسی وقت بھی اتنے قریب نہیں ہوتے۔

○.....○.....○

حدیث ۴۳: قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا اُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَهٗ ضُرَاط'' حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاذِیْنَ فَاِذَا سَکَتَ الْمُؤَذِّنُ اَقْبَلَ فَاِذَا ثُوِّبَ اَدْبَرَ فَاِذَا سَکَتَ اَقْبَلَ فَلَا یَزَالُ بِالْمَرْءِ یَقُوْلُ لَهُ اذْکُرْ مَالَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ حَتّٰی لَایَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی قَالَ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَحْمٰنِ اِذَا فَعَلَ اَحَدُکُمْ ذٰلِکَ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ قَاعِد'' وَسَمِعَهُ اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ۔
(تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۱۵۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے حتیٰ کہ اسکو اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی اور جب مؤذن خاموش ہو جاتا ہے تو آجاتا ہے اور جب اقامت کہی جائے تو پھر بھاگتا ہے اور جب اقامت کہنے والا خاموش ہو جائے تو آجاتا ہے اور آدمی کو نماز میں کہتا رہتا ہے کہ فلاں فلاں شئے یاد کر جو وہ یاد نہ کرتا تھا حتیٰ کہ وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں''۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''جب تم میں سے کوئی ایسا کرے تو وہ دو سجدے (سجدہ سہو) کرے جبکہ وہ بیٹھا ہوا ہو''۔ اسکو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے۔

نوٹ: نماز میں اکثر ہماری توجہ بٹ جاتی ہے۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم عربی زبان نہیں جانتے اور قرآن حکیم کی تلاوت بغیر سمجھے کرتے ہیں۔ نماز دراصل اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ مناجات ہیں (دیکھیں حدیث شریف نمبر ۳ کے نوٹ میں)۔ مکالمہ میں اگر ایک فریق وہ بات نہیں سمجھتا جو وہ کر رہا ہے تو دوسرا فریق مثبت ردّعمل نہیں ظاہر کرتا۔ ہماری اس کمزوری سے شیطان فائدہ اُٹھا لیتا ہے اور ہمیں وسوسوں میں ڈال کر ہماری توجہ نماز سے ہٹا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس بات پر سنجیدگی سے سوچیں کہ قرآن حکیم سے پورا فائدہ اُٹھانے اور نماز میں توجہ کو مرکوز رَکھنے کیلئے عربی زبان کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔

حدیث ۴۴: قَالَ اَخْبَرَنِیْ خَارِجَۃ بْنُ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ اُمَّ الْعَلَآءِ امْرأۃ مِنَ الْاَنْصَارِ بَایَعَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اخبَرَتْہ اَنَّہُ اُقْتُسِمَ الْمُھَاجِرُوْنَ قُرْعَۃً فَطَارَ لَنَا عُثمانُ بْن مظعُوْن فَاَنْزَلْنَاہُ فِیْ اَبْیَاتِنَا فَوَجِعَ وَجَعَہُ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ فَلَمَّا تُوُفِّیَ وَغُسِلَ وَکُفِنَ فِیْ اَثْوابِہٖ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْکَ اَبَا السَّائِبِ فَشَھَادَتِیْ عَلَیْکَ لَقَدْ اَکْرَمَکَ اللّٰہُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَمَا یُدْرِیْکِ اَنَّ اللّٰہَ اَکْرَمَہُ فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُکْرِمُہُ اللّٰہُ فَقَالَ اَمَّا ھُوَ فَقَدْ جَآءَہُ الْیَقِیْنُ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَارْجُوْلَہُ الْخَیْرَ وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ قَالَتْ فَوَاللّٰہِ لَا اُزَکِّیْ اَحَدً بَعْدَہُ اَبَدًا۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۱۷۳)

ترجمہ: حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ قبیلہ انصار کی ایک عورت حضرت اُمّ العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تھی، نے خبر دی کہ مہاجروں کو قرعہ اندازی کے ساتھ تقسیم کیا گیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے۔ ہم نے انکو اپنے گھروں میں اُتارا اور وہ بیماری میں مبتلا ہو گئے جس میں وہ فوت ہو گئے۔ وہ جب فوت ہوئے اور انکو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے کہا، ''اے ابا سائب! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، تیرے لیے میری شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت بخشی ہے''۔ (یہ سن کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تجھے کس نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو عزت بخشی ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر فدا ہو پھر اللہ تعالیٰ کس کو عزت دے گا؟'' سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''حضرت عثمان بن مظعون پر موت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس کیلئے خیر کی اُمید رکھتا ہوں۔ اللہ جل جلالہٗ کی قسم! میں نہیں جانتا ہوں حالانکہ میں اللہ ذوالجلال کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟'' حضرت اُمّ العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کی قسم! اسکے بعد میں کبھی کسی کا تزکیہ نہ کروں گی''۔

نوٹ: اس حدیث شریف سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ کون جنّتی ہے، کون جہنمی۔ ہمیں ہر مرنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید رکھنی چاہیے اور اسکے لیے اللہ جل جلالہٗ سے مغفرت کی دُعا کرتے رہنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بعض کے انجام کی خبر دے دی تھی اور اکثر کی نہیں۔ جنکے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم دیا گیا، ان میں سے دو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ ان واقعات سے ہمارے لیے تنبیہہ یہ ہے کہ ہم خاموشی اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید رکھیں اور میّت کیلئے دُعائے مغفرت کریں۔

ایک غزوہ میں ایک شخص نے بہت بہادری دکھائی۔ وہ زخموں سے چور پڑا ہوا اور مرنے کے قریب تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ ''یہ جنّتی ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یہ جہنمی ہے''۔ کچھ دیر کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دیکھا کہ زخموں کی تاب نہ لاکر اس نے خودکشی کر لی۔

ایک جنازہ لایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکی نمازِ جنازہ پڑھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا کہ مجمع کے اکثر لوگ اس میّت کی بُرائی کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجمع سے پوچھا کہ ''کوئی شخص اسکی کوئی نیکی جانتا ہو''۔ ایک شخص اُٹھا۔ اس نے عرض کی کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے علم ہے کہ اس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک پوری رات لگائی تھی''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اسکی تدفین میں شمولیت فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسکی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''یہ مجمع تو تمہیں جہنمی سمجھتا ہے لیکن میں گواہی دیتا

ہوں کہ تو جنّتی ہے''۔

مندرجہ بالا حدیث شریف میں جب اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس بات کا اقرار فرما رہے ہیں کہ مجھے علم نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہم خود کیسے لوگوں کے انجام سے باخبر ہو سکتے ہیں؟ ہم کسی کو شہید بنا دیتے ہیں، کسی کو جہنمی۔ ہمیں اس سے باز رہنا چاہیے۔ ہر مرنے والے کیلئے اچھی اُمید رکھنی چاہیے اور اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۴۵: عَنْ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۲۲۷)

ترجمہ: حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہوئے سنا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صبر وہی ہے جو ابتداءِ صدمہ میں ہو''۔

نوٹ: جس نے صدمہ کو دیکھتے ہی صبر کر لیا، یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ صدمہ کو دیکھ کر لوگ رونا پیٹنا، گلہ شکوہ..... اللہ تعالیٰ کا، زمانے کا، لوگوں کا زبان پر لے آتے ہیں پھر کچھ دیر کے بعد انہیں صبر آ جاتا ہے۔ ایسا صبر کم درجے کا صبر ہے۔ اللہ جل جلالہٗ ہمیں صحیح صبر اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

دَس سال حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر کیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ کسی دوسرے انسان سے کوئی گلہ نہیں کیا اور نہ ہی زمانے کا کوئی شکوہ کیا، صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا کرتے رہے اور روتے رہے اور یہ ''صبرِ جمیل'' تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کئی دفعہ مصیبت کے وقت نماز اور صبر سے مدد لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۵۳) ترجمہ ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ طائف کا واقعہ ایک اعلیٰ ترین صبر کی مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ طائف تبلیغ کیلئے تشریف لے گئے لیکن وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش آمدید نہیں کہا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذہنی اور جسمانی اذیتیں دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ ''اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو میں اس بستی کو ان دو پہاڑوں کو ملا کر تباہ کر دیتا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''نہیں'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہ تو انتقام لوں گا، نہ مصیبتوں پر گلہ شکوہ کروں گا بلکہ صبر کروں گا۔

حدیث ۴۶: عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمًا فَصَلّٰی عَلٰی اَهْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَهُ عَلَی الْمَیِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنِّیْ فَرَطٌ'' لَکُمْ وَاَنَا شَهِیْدٌ'' عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْ بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۲۶۶)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دِن باہر نکلے اور شہداءِ اُحد پر نماز پڑھی جس طرح اموات پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر منبر کی طرف لوٹے اور فرمایا، ''میں تمہارا فرط 'مقدمہ' ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور میں اللہ جل جلالہٗ کی قسم! اپنے حوض کو اب دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں اور زمین کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں اور اللہ جل شانہٗ کی قسم! میں اپنے بعد تم پر یہ خوف نہیں کرتا کہ تم شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ تم دُنیا میں رغبت کرنے لگو گے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کیلئے دُنیا میں رغبت پر تشویش کا اِظہار فرمایا۔ دُنیا کی رغبت انسان کو صراطِ مستقیم سے دُور لے جاتی ہے۔ دُنیا کا ساز و سامان حاصل کرنا یعنی متاع الحیات بھی بہت ضروری ہے لیکن ترجیحات میں دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ اوّل نمبر آخرت کیلئے جدوجہد ہے۔ آخرت کی جدوجہد کو چھوڑ کر مال کے پیچھے بھاگتے رہنا انسان کو جنت سے دُور کر دیتا ہے۔ اگر امورِ دُنیا کو ثانوی حیثیت دی جائے تو یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے آپ اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں لیکن یہی دُنیا جب اسکو اوّل حیثیت دی جائے تو جہنم میں لے جاتی ہے۔

موجودہ حالات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ہم نے دِین کو چھوڑ رکھا ہے اور ہر گھڑی دُنیا میں لگے ہوئے ہیں، اسی وجہ سے ہم ذلّت اُٹھا رہے ہیں۔

غزوۂ خیبر کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حصے کے مالِ غنیمت سے کاروبار کیا اور بڑا نفع کمایا۔ خوشی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ کہنے لگا، میں نے آج سب سے زیادہ کمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں اس شخص کا پتہ بتاؤں جس نے تم سے زیادہ نفع کمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے دو (۲) نماز پڑھی، اس نے تم سے زیادہ منافع حاصل کیا۔ (سنن ابوداؤد)

○.....○.....○

حدیث ۴۷: عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاکِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّۃٍ غَیْرِ الْاِسْلَامِ کَاذِبًا مُتَعَمِّدًا فَھُوَ کَمَا قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَہٗ بِحَدِیْدَۃٍ عُذِّبَ بِھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ قَالَ وَقَالَ حَجَّاجُ بْنِ مِنْھَالٍ حَدَّثَنَا جَرِیْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنَا جُنْدُبٌ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ فَمَا نَسِیْنَاہُ وَمَا نَخَافُ اَنْ یَّکْذِبَ جُنْدُبٌ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَقَالَ اللّٰہُ بَدَرَنِیْ عَبْدِیْ بِنَفْسِہٖ حَرَّمْتُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ ۔(تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۲۸۳)

ترجمہ : حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے اِسلام کے بغیر کسی ملت کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور جس نے اپنے آپکو آہنی ہتھیار کے ساتھ قتل کیا، اسکو دوزخ میں اسی ہتھیار کے ساتھ عذاب دیا جائے گا''۔ حضرت حجاج بن منہال نے فرمایا، ''ہم کو حضرت جریر بن حازم نے حضرت حسن سے خبر دی کہ انہوں نے کہا، ہم سے حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسجد میں بیان فرمایا، 'ہم بھولے نہیں اور نہ ہی ہم کو یہ ڈر ہے کہ حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی جھوٹی بات بیان فرمائیں گے، انہوں نے فرمایا، 'ایک آدمی زخمی تھا۔ اس نے اپنے آپ کو قتل کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، 'میرے بندے نے اپنی جان کے ساتھ مجھ سے جلدی کی۔ میں نے اس پر جنت حرام فرمادی''۔

نوٹ: خودکشی جہنم کا فعل ہے۔ جان اللہ جل جلالہٗ کی امانت ہے اور یہ امانت خود اللہ جل شانہٗ ہی جس وقت اور جس طرح چاہے، لے سکتا ہے۔ انسان کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی جان کو خود لے لے۔

حالات کتنے ہی بُرے ہوں اگر انسان صبر کرے تو اللہ تعالیٰ لازماً اسکے ساتھ ہوتا ہے اور حالات بدل جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْن ۝'' (البقرہ ۲، آیت ۱۵۳) ترجمہ ''یقیناً اللہ جل جلالہٗ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ پھر قرآن حکیم میں ایک اور جگہ یوں فرمایا، ''فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝'' (الم نشرح ۹۴، آیت ۵-۶) ترجمہ ''ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے'' یعنی انسان اگر تنگی پر صبر کرے تو اللہ جل جلالہٗ اسکے لیے آسانی اور فراخی پیدا فرما دیتا ہے۔

خودکشی کے محرکات کوئی بھی ہوں، خودکشی کی سزا آخرت میں خودکشی کرنے والے کو ہی ملے گی۔

○.....○.....○

حدیث۴۸: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی قَبْرَیْنِ فَقَالَ اَنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ مِنْ کَبِیْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰی اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ یَسْعٰی بِالنَّمِیْمَۃِ وَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَایَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِہٖ قَالَ ثُمَّ اَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَکَسَرَہٗ بِاثْنَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا عَلٰی قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ لَعَلَّہٗ یُخَفَّفُ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۲۹۸)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا، ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بڑی بات کی وجہ سے نہیں''۔ پھر فرمایا، ''ان میں سے ایک چغلی کھاتا پھرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہ بچتا تھا''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تر لکڑی لی اور اسکے دو ٹکڑے فرمائے پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کو قبر پر گاڑ دیا''۔ پھر فرمایا، ''جب تک یہ خشک نہ ہوں گی، انکے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی''۔

نوٹ: انسان کی روزمرّہ کی زندگی میں دو باتیں ایسی ہیں جن کو ہم معمولی سمجھتے ہیں لیکن ان پر اللہ جل جلالہٗ کا عذاب اس حدیث شریف کی رُو سے ثابت ہے۔

ہم میں غیبت اور چغلی بہت ہی عام ہے اور اسکے نتائج حقیقتاً اس دُنیا میں بھی بہت بُرے نکلتے ہیں۔ یہ بہت سی غلط فہمیوں، بدظنی اور لڑائی جھگڑوں کا باعث بنتے ہیں۔ یہ اَمنِ عامہ کو ختم کرتے ہیں۔ یادرَہے کہ اللہ جل جلالہٗ فساد کو پسند نہیں فرماتا بلکہ اَمن کو پسند فرماتا ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ **انسان کم گوئی کی عادت** ڈالے، کسی کی **تعریف میں بھی غلو نہ کرے** تو غیبت اور چغلی کی عادت بھی ختم ہوجائے گی۔

دوسری بات جسکو ہم معمولی سمجھتے ہیں، پاکیزگی سے تعلق رَکھتی ہے۔ اللہ جل جلالہٗ طہارت کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتدائی وحی ہی میں یہ فرمادیا تھا کہ ''وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ○'' (المدثر ۷۴، آیت ۴) ترجمہ ''اپنے

کپڑے پاک صاف رَکھا کرو''۔ پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،'' لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ ''(الواقعہ ۵۶، آیت ۷۹) ترجمہ ''اسکو یعنی قرآن حکیم کو صرف پاک ہی ہاتھ لگاتے ہیں''۔

پیشاب ایک نجس چیز ہے۔ جسم یا کپڑے پر لگنے سے طہارت ختم ہو جاتی ہے، اسکا دھونا لازمی ہو جاتا ہے۔ اگر پیشاب جسم یا کپڑے پر لگا ہو تو وضو بھی اسے دھوئے بغیر صحیح نہیں ہوتا اور نماز بھی نہیں ہوتی۔ اسکو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ جیسے ہی جسم یا کپڑے پر لگے تو فوراً دھو لینا چاہیے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اچھی عادت نہیں ہے، اس سے جسم اور کپڑوں پر چھینٹے پڑ جاتے ہیں اور اگر بیت الخلا میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا انتظام بنایا گیا ہے پھر بھی قطرے لگنے کا اندیشہ ہے اور یہ طریقہ جانوروں اور غیر مسلموں سے مشابہت رَکھتا ہے۔ یہ انکا مستقل معمول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری زندگی میں صرف ایک موقعہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ علماء کرام اسکی مختلف توجیح دیتے ہیں۔ میرا قیاس یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ عمل اُمّت کی سہولت کیلئے کیا کہ اگر اشد ضرورت ہو تو ایسا کر لیا کریں لیکن اسکو معمول نہیں بنائیں۔ (اللہ اعلم بالصواب)

○.....○.....○

حدیث۴۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَیِّبٍ وَلَایَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۳۲۹)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ صرف پاک کو ہی قبول فرماتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اسکو اپنے دائیں ہاتھ (جو اسکی شان کے لائق ہے) میں لیتا ہے پھر صدقہ کرنے والے کیلئے اسکی نشوونما کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے حتیٰ کہ یہ صدقہ پہاڑ جیسا ہو جاتا ہے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ حلال کمائی کو ہی پسند فرماتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایماندار تاجر عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ صدقہ بھی حلال کمائی سے ہی قبول فرماتا ہے۔ حلال کمائی سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ط .....'' (البقرہ۲، آیت ۲۴۵) ترجمہ ''کون ہے جو اللہ جل جلالہٗ کو بہترین قرضہ (یعنی حلال کمائی سے اور خلوصِ نیّت سے) دے تا کہ اللہ جل شانہٗ اسکو بڑھا چڑھا کر ادا فرمائے (یعنی قیامت کے دِن)''۔

قرضِ حسن یعنی بہترین قرض ایسا صدقہ ہے جو حلال کمائی سے ہو اور رِیا کے بغیر خالص اللہ جل جلالہٗ کی خاطر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیا گیا ہو۔ ایسے صدقے کا ثواب جامد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کئی گناہ تک زیادہ کرتا جاتا ہے جیسے جانور کا بچہ اسی قد پر نہیں رہتا جس پر پیدا ہوا بلکہ ایک مدت تک بڑھتا رہتا ہے۔

اسکے برعکس حرام کمائی سے کیا ہوا صدقہ قبول ہی نہیں ہوتا۔

''مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ ''(البقرہ۲،آیت۲۶۱)ترجمہ''جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں،انکے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر بال کے اندر سو سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے،زیادہ فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے''۔

صدقے کے ساتھ کسی کو ذہنی یا جسمانی تکلیف دینے یا اس سے کوئی اپنا غرض نکالنے کی نیّت ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ رِیا اور دکھاوا بھی صدقے کے ثواب کو کھا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا،''اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَا اَذًی لا لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ ''(البقرہ۲،آیت۲۶۲)ترجمہ''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں،اسکے بعد احسان واذیت سے کام نہیں لیتے۔ان کیلئے اسکا اَجر انکے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

○.....○.....○

حدیث ۵۰: قَالَ سَمِعْتُ عَدِیَّ بْنَ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ کُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَجَآءَہٗ رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا یَشْکُوْا اَمِیْلَۃَ وَالْاٰخَرُ یَشْکُوْ قَطْعَ السَّبِیْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَمَّا قَطْعُ السَّبِیْلِ فَاِنَّہٗ لَایَاتِیْ عَلَیْکَ اِلَّاقَلِیْل'' حَتّٰی تَخْرُجَ الْعِیْرُ اِلٰی مَکَّۃَ بِغَیْرِ خَفِیْرٍ وَاَمَّا الْعَیْلَۃَ فَاِنَ السَاعۃ لاتَقُوْمُ حَتّٰی یَطُوْفَ اَحَدُکُمْ بِصَدَقَتِہٖ فَلَایَجِدُ مَنْ یَقْبَلُھَا مِنْہُ ثُمَّ لَیَقِفَنَّ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ حِجَاب'' وَلَاتَرْجُمَان یُتَرْجِمُ لَہٗ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ اَلَمْ اُوتِکَ مَالَا فَلَیَقُوْلَنَّ بَلٰی ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ اَلَمْ اُرْسِلُ اِلَیْکَ رَسُوْلًا فَلَیَقُوْلَنَّ بَلٰی فَیَنْظُرُ عَنْ یَمِیْنِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّاالنَّارَ ثُمَّ یَنْظُرُ عَنْ شِمَالِہٖ فَلَا یَرٰی اِلَّاالنَّارَ فَلْیَتَّقِیَنَّ اَحَدُکُمُ النَّارَ وَلَمْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۳۳۲)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو شخص آئے۔ ان میں سے ایک فاقہ کی شکایت کرتا تھا اور دوسرا رہزنوں کے فساد کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جہاں تک رہزنوں کے فساد کا معاملہ ہے، تھوڑے ہی دنوں بعد ایک وقت آئے گا کہ مکہ مکرمہ کی طرف قافلہ کسی محافظ (گارڈ) کے بغیر نکلے گا اور جہاں تک فقر کا تعلق ہے، قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی حتیٰ کہ تم میں سے کوئی صدقہ لیے پھرے گا اور اسکے قبول کرنے والے کو نہ پائے گا پھر تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی ترجمان ہوگا جو اسکی ترجمانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، ''کیا میں نے تجھے مال نہ دیا تھا؟'' وہ کہے گا، ''کیوں نہیں''۔ پھر اللہ

تعالیٰ فرمائے گا، ''کیا میں نے تیری طرف رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں بھیجا تھا؟'' وہ کہے گا، ''کیوں نہیں''۔ پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر وہ بائیں طرف دیکھے گا اور آگ کے سوا اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ اسلئے تم میں سے ہر شخص آگ سے بچے اگر چہ کھجور کے ٹکڑے کے سبب ہی سہی اور اگر یہ نہ پائے تو **اچھی بات کرے**''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا یہ تھا کہ صبر کرو۔ جس نظام کو میں لے کر آیا ہوں، وہ اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ معاشرے میں عدل و انصاف اور اَمن قائم ہو گا اور معاشیات میں اتنی طاقت آ جائے گی کہ کوئی بھیک مانگنے والا نہیں رہے گا حتیٰ کہ تم صدقہ لیے پھرو گے لیکن تمہیں کوئی محتاج نہیں ملے گا۔

یہ نظام جسکی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارہ فرما رہے تھے، وہ (**لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُـحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہ**) کا نظام تھا یعنی قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین معاشرے میں چلیں گے تو دو واضح چیزیں ظاہر ہوں گی، **ایک اَمن اور دوسری خوشحالی**۔

جب ہم قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعراض کر کے اپنے قوانین بناتے جائیں گے تو دو چیزیں ہم پر سوار ہو جائیں گی، **ایک خوف** اور **دوسری بھوک**۔ موجودہ حالات اسکا واضح ثبوت ہیں۔

ایمان، علم، حکمت اور **عمل** سے **خالی حکمرانوں** کی وجہ سے پوری قوم آئے دِن کسی نہ کسی **خوف** میں مبتلا رہتی ہے اور ہم دُنیا کی غریب ترین قوموں میں شمار ہوتے ہیں۔ حکمران کا کام ہوتا ہے کہ قوم کو ایمان، علم اور حکمت کی تعلیم دے تا کہ ملک کی اکثریت سیدھے راستے پر گامزن رہے۔ اللہ رَبّ العزت کے فیصلے قوم کی اکثریت کے اعمال پر مبنی ہوتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ اگر مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرو گے تو آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ انسان کے پاس مال تھوڑا ہو یا بہت، اللہ جل جلالہٗ کے راستے میں صدقہ ضرور کرتے

رہنا چاہیے۔ یہی جہنم سے ذریعہ نجات ہے اور یہی رویّہ قومی ترقی کی ضمانت دیتا ہے جو خوف اور غربت کو دُور کرنے کا سبب بنتا ہے۔

جو مال نہیں رَکھتے، انکو ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اچھی بات کریں یعنی کسی کو اچھی نصیحت کریں اور شائستگی سے بُرائی سے روکیں کیونکہ اچھی بات بھی ایک صدقہ ہے اور بُرائی سے رُوکنا بھی ایک صدقہ ہے۔

''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط .....'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۱۰)

ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ (تمام) انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو.....''۔

ذرا غور فرمائیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس وعدے پر پورے اُترتے ہیں یا نہیں؟

○.....○.....○

حدیث ۵۱: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا اَمرنَا بِالصَّدَقَۃِ اِنْطَلَقَ اَحَدُنَا اِلَی السُّوْقِ فَیُحَامِلُ فَیُصِیْبُ الْمُدَّ وَاِنَّ لِبَعْضِھِمُ الْیَوْمَ لِمِائَۃِ اَلْفٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۳۳۵)

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم کو صدقہ کا حکم فرماتے تو ہم میں سے بعض بازار جاتے اور مزدوری کر کے ایک مُدّ حاصل کرتے اور (اس میں سے ہم صدقہ کرتے) آج ان میں سے بعض کے پاس ایک لاکھ درہم ہیں''۔ (مُدّ = ایک سیر)

نوٹ: محنت کرنے سے انسان مالدار بنتا ہے اور محنت کرنے سے ہی قوم ترقی کرتی ہے۔ بھیک مانگ کر اور قرضے لے کر ترقی نہیں ہوتی۔ برازیل کے ایک پروفیسر لکھتے ہیں کہ ''دولت دولت سے نہیں کمائی جاتی بلکہ دولت محنت سے کمائی جاتی ہے''۔ جب میں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کو دیکھا تو مجھے اس پروفیسر صاحب کی بات کا یقین آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو انتھک محنت کرنے کی عادت ڈالی اور بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی فرمائی۔ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر تم مجھ سے اس بات کا وعدہ کرلو کہ تم کسی سے سوال نہیں کرو گے تو میں تم کو جنت کی بشارت دیتا ہوں'' تو اسکے بعد انہوں نے کبھی کسی سے سوال نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد، سنن نسائی)

ہمارے ملک میں انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر بھیک مانگنا ایک اچھوت کی بیماری بن چکی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اسکا سدّباب کریں اور لوگوں اور قوم کو صحیح محنت کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی برکات ہمارے شامل حال ہوں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو بھوک ہی بھوک تھی۔ پھر محنت سے یہ حال ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ زکوٰۃ لے کر نکلتے تھے، کوئی زکوٰۃ لینے والا ملتا نہیں تھا۔

جنگ عظیم اوّل میں جرمنی نے اتحادیوں سے صلح نامہ کیا جسکے نتیجے میں جنگ بند ہو

گئی اور جرمنی کو بھاری تاوان اَدا کرنا پڑا۔ جرمنی نے یہ تاوان چار سال کے اندر اندر اتحادیوں کو اَدا کر دیا۔ یہ تاوان اتنی کم مدت میں اَدا کرنا اسلئے ممکن ہو گیا کہ جرمنی کا ہر فرد (بچے سے لے کر بوڑھے تک، مرد ہو یا عورت) محنت کرنے لگا۔

○.....○.....○

حدیث ۵۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ احَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۳۶۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کوئی دِن نہیں جس میں لوگ صبح کریں مگر آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ بخیل کو تلف (برباد) فرمادے''۔

نوٹ: اسلام کا معاشی نظام یہ ہے کہ خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور بچت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اس اصول سے معیشت ترقی پذیر ہوتی ہے۔ بچا کر رکھ لینے سے اقتصادیات میں جمود آجاتا ہے اور ترقی کا گراف نیچے گر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دولت کمانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ یہ حلال طریقے سے کمائی جائے اور خرچ کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ حلال راستوں پر خرچ کی جائے اور اس نیّت سے کی جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔

اسکے برعکس حرام دولت میں برکت نہیں ہوتی۔ انسان یہ حرام راستوں پر ہی خرچ کرتا ہے۔ حرام کا مال خواہ مقدار میں کتنا ہی زیادہ ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا کوئی وزن نہیں ہے، ''قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝'' (المائدہ ۵، آیت ۱۰۰) ترجمہ ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمادیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوسکتے گو تجھے ناپاک کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو۔ اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ کامیاب ہوجاؤ''۔ لہٰذا مجموعی طور پر معیشت میں ترقی ہونے کے بجائے تنزل کی طرف رجحان ہوجاتا ہے۔ حرام مال کا کمانا اور حرام راستے پر خرچ کرنا شیطانی عمل ہے اور شیطان اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ

لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد ''○'' (ابراہیم۱۴، آیت ۷)
ترجمہ ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رَبّ تعالیٰ نے تمہیں اطلاع دے دی تھی کہ اگر شکر کرو گے، تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بڑا سخت ہے''۔

یہاں عذاب کا مطلب آخرت کا عذاب ہی نہیں ہے، دُنیا کا عذاب بھی ہے کیونکہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت اس سے چھین لیتا ہے اور اسکو بُرے حالات میں پھنسا دیتا ہے۔

آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ صحیح معنوں میں ہم اس نعمت پر رَبّ العزت کا شکر ادا نہیں کر رہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس خطہءِ زمین پر جیسا ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا نظام جاری ہوتا لیکن قائد کے چلے جانے کے بعد جن لوگوں نے اس نظام کو ملک میں رائج کرنے کا بیڑا اُٹھانا تھا، وہ نااہل، کرپٹ اور **جاہل** ثابت ہوئے۔ آج حالت یہ ہے کہ سارے ملک میں، گلی گلی، کوچہ کوچہ لٹیروں کا راج ہے اور وہ نظامِ عدل جسکی ضمانت اللہ تعالیٰ کا نظام دیتا ہے، دُور دُور تک بھی منظر پر دکھائی نہیں دیتا۔ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی غلطیوں کی معافی نہیں مانگی اور اپنے اعمال کی اصلاح نہیں کی تو ہم بہت ہی نامساعد حالات سے دوچار ہوں گے جن سے نکلنا انتہائی مشکل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے حکمران اور عوام **نفس پرستی** کو چھوڑ کر **سیدھے راستے** کی طرف آجائیں (آمین)۔ وماعلینا الاّ البلاغ

○.....○.....○

حدیث ۵۳: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ اُنَاسًا مِنَ الْاَنْصَارِ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاھُمْ ثُمَّ سَأَلُوْہُ فَاَعْطَاھُمْ حَتّٰی نَفِدَ مَا عِنْدَہٗ فَقَالَ مَایَکُوْنُ عِنْدِیْ مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ اُدَّخِرَہٗ عَنْکُمْ وَمَنْ یَسْتَعِفُّ یُعِفُّہُ اللّٰہُ وَمَنْ یَسْتَغْنِ یُغْنِہِ اللّٰہُ وَمَنْ یَتَصَبَّرْ یُصَبِّرْہُ اللّٰہُ وَمَا اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَاءً خَیْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۳۸۶)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کے چند لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مال عطا فرما دیا۔ اُنہوں نے پھر سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پھر مال عطا فرما دیا حتیٰ کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا، ختم ہو گیا تو فرمایا، ''میرے پاس جو کچھ مال ہوگا، اس کو میں تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور جو کوئی سوال سے بچنا چاہے، اللہ تعالیٰ اس کو بچائے گا اور جو کوئی سوال سے بے نیازی اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکو بے نیاز فرما دے گا اور جو کوئی صبر کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکو صبر عطا فرما دے گا۔ کسی شخص کو صبر سے بہتر اور وسیع تر دولت (بھلائی) نہیں دی گئی''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ ''لوگوں سے سوال کرنے سے بچا جائے''۔ جو لوگوں سے بے نیاز ہو جائے، اللہ جل جلالہٗ اس کو لوگوں سے بے نیاز فرما دے گا۔ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو مانگو، اللہ جل شانہٗ سے مانگو حتیٰ کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ گیا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو'' (مشکوٰۃ)۔ جو اللہ ربّ العزت کو چھوڑ کر بندوں سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بندوں ہی کے حوالے فرما دیتا ہے اور جو بندوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکو غنی فرما دیتا ہے۔

بھوک اور مصیبت کے وقت صبر کرنا اللہ ربّ العزت کو بہت پسند ہے۔ اللہ تبارک

وتعالیٰ اسکا اَجر اس دُنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی۔

ہاتھ پھیلانے کے بجائے اگر ہم خود اپنے وسائل پر محنت کریں، صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتے رہیں تو ہماری معیشت لازمی ترقی پذیر ہوگی۔ یاد رَکھیے کہ لینے والا ہاتھ دینے والے ہاتھ کے نیچے ہوتا ہے۔ جب ہم بھیک مانگ کر اپنے آپکو خود نیچا کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہم پر ذلّت مسلط فرما دیتا ہے۔ اگر ہم ذلّت ہی برداشت کرنے پر راضی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں عزت کیسے دے گا؟

آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور دوسرے بینکوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے ہمیں اپنے وسائل سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ اللہ رَبّ العزت نے ہمیں قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہوا ہے جن کو ہم استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ یہ مجبوری سیاسی مجبوری ہے۔ ہمارا سیاسی فرد قوم اور ملّت سے خلوص نہیں رَکھتا۔ وہ صرف اپنی ذات سے پُر خلوص ہے۔ اپنے کو ہی اوّلین ترجیح دیتا ہے خواہ ملک دو ٹکڑے ہو جائے۔

○.....○.....○

حدیث ۵۴: عَنِ الشَّعْبِیِ قَالَ حَدَّثَنِیْ کَاتِبُ المغِیْرِۃِ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ کتبَ مُعَاوِیَۃُ اِلَی الْمُغِیرۃِ بْنِ شُعْبَۃَ اَنْ اُکْتُبْ اِلَیَّ بِشَیْءٍ سَمِعْتَہٗ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَکَتَبَ اِلَیْہِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ کَرِہَ لَکُمْ ثَلاثًا قِیْلَ وَقَالَ وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ وَ کَثْرَۃَ السُّؤَالِ ۔(تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث۱۳۹۲)

ترجمہ : حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ مجھے کچھ لکھ بھیجو جو تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو لکھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزیں پسند نہیں فرمائیں، **فضول گفتگو، مال کو ضائع کرنا اور بہت سوال کرنا**''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ تین باتوں کو پسند نہیں فرماتا:

(۱) فضول گفتگو یعنی **بے موقع** اور **بے مقصد** بات کرنا انسان کے فائدے کیلئے نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ''**قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا** ○'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۰) ترجمہ ''اور ٹھیک ٹھیک بات کرو'' یعنی موقع کے لحاظ سے اور حقائق کے لحاظ سے بات درست ہو۔ ایک دوسری جگہ اللہ ربّ العزت نے فرمایا، ''**وَلَا تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ○'' (البقرہ ۲، آیت ۴۲) ترجمہ ''حق کو ناحق کے ساتھ (سچ کو جھوٹ کے ساتھ) خلط ملط نہ کرو اور حق (سچ) کو جان بوجھ کر مت چھپاؤ''۔

انسان کو جب فضول باتیں کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو بہت سی جھوٹی سچی باتیں سب کر جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ گفتگو **مختصر** کی جائے اور **موقع و محل** کے مطابق کی جائے اور جو کہو، سچ کہو۔ سچ کے سوا اور کچھ نہ کہو۔

(۲) **مال کو ضائع کرنا**۔ ہمارے ہاں غربت بہت زیادہ ہے لیکن چند ایک لوگوں

کے پاس مال بھی بہت زیادہ ہے۔ اسکا صحیح مصرف غرباء اور مساکین پر خرچ کرنا اور ملکی صنعت میں لگانا ہے لیکن مالدار لوگ اکثر ریا کیلئے خرچ کرتے ہیں اور بہت اسراف کرتے ہیں حالانکہ اللہ رَبّ العزت نے فرمایا ہے کہ ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۷) ترجمہ ''یقیناً اِسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رَبّ تعالیٰ کا ناشکرا ہے''۔

شادیوں پر جس طرح اسراف ہوتا ہے، اسکو دراَصل اسراف دَر اسراف کہا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر ایسے موقعوں کے متعلق فرمایا گیا ہے، ''وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا'' (اعراف ۷، آیت ۳۱) ترجمہ ''کھاؤ پیو لیکن کھانے پینے میں اسراف نہ کرو''۔

ذرا غور کیجئے کہ خلاقِ کائنات اور رازقِ کائنات ایک حکمت سے بھرپور حکم اپنے بندوں کو کرتا ہے جس میں فائدہ بندوں کا ہی ہے اور اسکا اس میں ذرا بھی فائدہ نہیں ہے لیکن بندہ اسکا حکم ایک کان سے سنتا ہے اور دوسرے سے نکال دیتا ہے، اس تیزی اور مہارت سے کہ دماغ اور دِل کے خلیوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔

یاد رکھیے! جو فرد اور قوم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اعتدال (عدل) سے خرچ نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہے، وہ نعمت کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ اس قوم یا فرد سے لے لیتا ہے اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نعمت کی شکر گزاری کرنے والے کو اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں سے نوازتا ہے، ''وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ'' ○ (ابراہیم ۱۴، آیت ۷) ترجمہ ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رَبّ تعالیٰ نے تمہیں اطلاع دے دی تھی کہ اگر شکر کرو گے، تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بڑا سخت ہے''۔

(۳) بہت سوال کرنے کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نزولِ قرآن حکیم کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اکثر سوالات کرنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھیک مانگتے وقت بار بار سوال کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور بھیک مانگنے سے روکا گیا ہے کیونکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جواب دے دیں گے، اس کا ادا کرنا تم پر فرض ہو جائے گا۔ اسلئے خاموشی بہتر ہے اور قرآن کریم کا ایک حصہ بن جائے گا پھر تم اس کو ادا نہیں کر سکو گے۔

حدیث ۵۵: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یُخْبِرُنَا یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لِامْرَأَۃٍ مِنَ الْاَنْصَارِ سَمَّاھَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَنَسِیْتُ اسْمَھَا مَامَنَعَکِ اَنْ تُحِجِّیْ مَعَنَا قَالَتْ کَانَ لَنَا نَاضِح'' فَرَکِبَہٗ اَبُوْ فُلَانٍ وَابْنُہٗ لِزَوْجِھَا وَابْنِھَا وَتَرَکَ نَاضِحًا نَنْضَحُ عَلَیْہِ قَالَ فَاِذَا کَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِیْ فِیْہِ فَاِنَّ عُمْرَۃً فِیْ رَمَضَانَ حَجَّۃً اَوْ نَحْوًا مِّمَّا قَالَ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۶۶۷)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک انصاریہ عورت سے فرمایا۔ حضرت عطاء نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس عورت کا نام ذکر کیا اور میں بھول گیا ہوں کہ ''ہمارے ساتھ حج کرنے سے تجھے کس نے منع کیا ہے؟'' اس عورت نے کہا، ''ہماری ایک اونٹنی تھی۔ اس پر فلاں کا باپ اور اسکا بیٹا سوار ہوا (اپنے شوہر اور بیٹے کی طرف اشارہ کیا) اور ایک اونٹ رہنے دیا جس پر ہم پانی پلاتے (لاتے) ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جب رمضان المبارک آئے تو اس میں عمرہ کر لینا'' کیونکہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج ہے یا اسکی مثل کچھ فرمایا۔

نوٹ: اس حدیث شریف کی رُو سے رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے ثواب کے برابر ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کیلئے زائرین کی تعداد تقریباً اتنی ہی ہو جاتی ہے جتنی حج کے موقع پر اور تمام دُنیا کے مسلمان رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کو حج کے برابر سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نظامِ قدرت دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کہی ہوئی ایک بات ساری دُنیا میں پہنچا دی اور قیامت تک زندہ رہے گی اور انسانیت اس سے مستفید ہوتی رہے گی، ''وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' ○ ''(آلِ عمران ۳، آیت ۱۸۹) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

حدیث۵۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّیَامُ جُنَّةٌ، فَلَا یَرْفُثْ وَلَایَجْهَلْ فَاِنِ امْرُءٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَآئِمٌ، مَرَّتَیْنِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ یَتْرُکُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِیْ الصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا ۔(تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۷۷۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''روزہ ڈھال ہے پس (روزہ دار) نہ بُری بات کرے اور نہ ہی جہالت کی بات کرے اور اگر کوئی اس سے جھگڑا کرے یا گالی گلوچ کرے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ یہ دو دفعہ کہے۔ اس ذات کی قسم جسکے قبضہء قدرت میں میری جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے۔ وہ کھانا، پینا اور شہوت میرے لئے ترک کرتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اسکی جزاء دیتا ہوں اور ایک نیکی کا ثواب دَس گنا ملتا ہے''۔

نوٹ: ''روزہ'' ڈھال ہے یعنی یہ بُرائیوں سے بچانے کے لیے ڈھال کی طرح کام کرتا ہے۔ جیسے ڈھال از خود حفاظت نہیں کرتی بلکہ مضبوط ہاتھوں سے دُشمن کے وار کو ڈھال کے ذریعے روکنا ہوتا ہے، اسی طرح روزہ میں **قوتِ ارادی** سے بُری باتوں سے پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ قوتِ ارادی کی شدّت سے بُرائی سے بچنے کی شدّت پیدا ہوتی ہے۔ اگر بُرائی سے بچنے کا جذبہ نہیں ہے تو صرف بھوکے رہنے سے روزے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ روزے کا مقصد بُرائی سے بچنا ہے جو روزمرہ کی زندگی میں ہم شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر بے شمار موقعوں پر کر جاتے ہیں۔ ''تقویٰ'' حاصل کرنا جو کہ دراَصل روزے کا مقصد ہے، بغیر جذبہ کے اور سخت محنت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ تقویٰ یہ ہے کہ وہ تمام نیکی کے کام جو اللہ جل جلالہٗ نے کرنے کا فرمایا ہے، ان کو کیا جائے اور وہ تمام بُرے کام جن سے اللہ

جل شانہٗ نے باز رہنے کا حکم فرمایا ہے، باز رہا جائے۔ تب کہیں جا کر تقویٰ حاصل ہونے کی اُمید بنتی ہے۔

ہمارا اور آپکا یہ مشاہدہ ہے کہ ہم روزے کا مقصد حاصل کرنے پر نظر نہیں رکھتے، صرف بھوکا رہ کر ہی دِن گزار دیتے ہیں۔ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○'' (البقرہ۲، آیت۱۸۳) ترجمہ ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں تا کہ تم متقی بن جاؤ''۔

ہمارا تقویٰ حاصل کرنے کا حال یہ ہے کہ ہم سحری کھا کر ایسے سوتے ہیں کہ دفتر میں دیر سے پہنچتے ہیں اور جلدی بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ دونوں حرکتیں تقویٰ کے خلاف ہیں اور جو کچھ کام کرنا ہوتا ہے، اسکو ہم کل کیلئے ٹالتے ہیں۔ اس طرح بہت سے لوگوں کا ہم حق غصب کرتے ہیں اور یہ عین رمضان المبارک میں ہم کر رہے ہیں۔ اسی طرح خورد ونوش کی چیزوں کی قیمتیں رمضان المبارک میں بڑھا دینا ہر تاجر کا معمول بنا ہوا ہے حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ رمضان المبارک کے دنوں میں منافع کی شرح کم کی جائے تا کہ غریب لوگوں کو روزہ رکھنے میں آسانی ہو۔

ٹریفک میں تیز رفتاری بھی عام طور پر دیکھی گئی ہے۔ آرام سے چلنے کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ''وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا..... '' (الفرقان۲۵، آیت۶۳) ترجمہ ''رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر بڑے آرام، سکون، عجز اور انکساری سے چلتے ہیں.....''۔ تیز رفتاری تقویٰ کے خلاف ہے۔ اگر ہم رمضان المبارک میں آرام سے گاڑی چلانا سیکھ لیں تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں بھی ہم تقویٰ اختیار کر سکتے ہیں۔

عدالتوں میں بھی جھوٹی شہادتیں رمضان المبارک میں اسی طرح دیکھنے میں آتی ہیں جیسے باقی مہینوں میں۔

صرف بھوکا رہنے سے روزے کا مقصد حل نہیں ہوتا اور اسکا ثواب نہیں ملتا۔ ثواب تو تقوے کا ملے گا نہ کہ بھوکا رہنے کا۔ جس درجہ کا تقویٰ ہوگا، اس درجہ کا ثواب ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث ۵۷: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ نُوْدِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ یَاعَبْدَاللّٰهِ هٰذَا خَیْرٌ" فَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّیَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّیَّانِ وَمَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا عَلٰی مَنْ دُعِیَ مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضُرُوْرَةٍ فَهَلْ یُدْعٰی اَحَدٌ" مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ کُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْ اَنْ تَکُوْنَ مِنْهُمْ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۷۷۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے اللہ جل شانہٗ کی راہ میں جوڑا خرچ کیا، اس کو جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ جل جلالہٗ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے۔ پس جو کوئی اہل جہاد سے ہوگا، اس کو 'باب الجہاد' سے بلایا جائے گا اور جو کوئی روزہ داروں سے ہوگا، اس کو 'بابُ الریان' سے بلایا جائے گا اور جو کوئی اہل صدقہ سے ہوگا، اسکو 'باب الصدقہ' سے بلایا جائے گا''۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میرا ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس کو ان دروازوں سے بلایا جائے گا، اسے کسی ایک دروازے میں سے داخل ہونے میں نقصان تو نہیں ہوگا۔ کیا ایسا کوئی شخص ہوگا جس کو سب دروازوں سے بلایا جائے؟'' فرمایا، ''ہاں! مجھے اُمید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے''۔

نوٹ: حدیث شریف کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث شریف ایسے ماحول میں بیان فرمائی جس میں زمیندار، بھیڑ بکری، گائے بیل،

اونٹ وغیرہ پالنے والے اور تاجر موجود تھے۔ جوڑے کا اشارہ یہاں جانور کا جوڑا ہے یعنی نر اور مادہ۔ اگر کوئی ہمت رکھتا ہو تو ایک جانور صدقہ کرنے کے بجائے اگر نر اور مادہ کا جوڑا صدقہ کر دے تو اسکے لیے جنت کی تمام نعمتیں حاصل ہونے کی اُمید ہے کیونکہ یہ جوڑا آگے نسل کو بڑھائے گا اور اس سے دودھ، گھی اور گوشت خاندان کیلئے میسر ہوں گے اور یہ جوڑا جب اپنی نسل کی افزائش میں ترقی کرتا جائے گا تو قیامت تک ایک جوڑے سے اربوں جانور پیدا ہو چکے ہوں گے جو اربوں انسانوں کو فائدہ دے چکے ہوں گے۔ ان تمام کا ثواب اسکے حصے میں لکھا جائے گا جس نے سب سے پہلے یہ جوڑا اللہ جل جلالہٗ کے راستے میں صدقہ کیا تھا اور باقیوں کا ثواب کم نہیں ہوگا۔

نسائی شریف کی ایک حدیث شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ ''جوڑے سے کیا مراد ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''گائے کا جوڑا یا اونٹ کا جوڑا'' (مشکوٰۃ، باب صدقہ کی فضیلت)

○.....○.....○

حدیث ۵۸: اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۷۸۰)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب ماہِ رمضان المبارک شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں''۔

نوٹ: یہ حدیث شریف دراَصل ایک ترغیب ہے کہ انسان رمضان المبارک کے دِنوں میں زیادہ سے زیادہ نیکی کرنے کا فائدہ اُٹھائے اور بُرائی سے اجتناب کرے کیونکہ رمضان المبارک کے مہینے میں نیکی کرنے والوں کے ساتھ اللہ جل جلالہٗ کی خاص مدد شامل ہوتی ہے جس سے انسان شیطان کے حملوں سے **باآسانی بچ** جاتا ہے لیکن یاد رَکھیے کہ عمل کرنے سے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی۔ جذبے سے نیکی کریں گے تو اللہ تعالیٰ مددگار ہوگا اور **بُرائی سے بچنے کا جذبہ رَکھیں گے** تو اللہ جل جلالہٗ شیطان سے بچائے گا۔

اگر اس مہینے میں ہم نیکی کی طرف اپنے آپکو زیادہ مائل کر لیں اور سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اس پر مداومت اختیار کریں تو نیکی پر چلنا ایک مستقل عادت بن جائے گی اور ہم شیطان کے حملوں سے کافی حد تک اپنے آپکو بچا سکیں گے۔ عادت ایک ثانوی فطرت ہوتی ہے اور پھر انسان سیدھے راستے پر چل نکلتا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم رمضان المبارک سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ ہماری اکثریت رمضان المبارک کے دِنوں میں بھوکا پیاسا رہنے کے سوائے اور کچھ حاصل نہیں کر پاتی۔ یہ مہینہ تو تربیت کیلئے تھا جس میں ہمیں انسان کی مرغوب ترین دو چیزوں یعنی کھانا پینا اور مباشرت سے روک دیا گیا، اسی طرح مقصد یہ تھا کہ انسان اپنے آپکو جھوٹ بولنے، دغا بازی کرنے، خیانت کرنے، جھوٹی گواہی دینے، دوسرے کو تکلیف پہنچانے، دوسرے سے بدنیّتی کا سلوک کرنے، دوسرے کے مال کو ہضم کرنے

سے روکے لیکن ہم کھانا پینا بھی چھوڑ دیتے ہیں، روزے کے ساتھ مباشرت بھی چھوڑ دیتے ہیں مگر اخلاقِ رذیلہ کو چھوڑ کر اخلاقِ حسنہ کی طرف نہیں آتے۔

اس اکثریت میں سب سے زیادہ حقوق العباد کو غصب کرنے والے اور اخلاقِ رذیلہ کا مظاہرہ کرنے والے ہمارے ملکی دفاتر کے لوگ ہیں جو دفاتر میں دیر سے پہنچتے ہیں، عوام کا کام کرنے کے بجائے روزے کا بہانہ لگا کر کام کو ٹالتے ہیں اور عین رمضان المبارک میں روزے کے ساتھ رشوت لینے اور غلط سفارش قبول کر کے غلط فیصلے کرنے اور عوام کو اذیت دینے سے بھی نہیں ٹلتے۔

○.....○.....○

حدیث۵۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث۱۷۸۲)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص لیلۃُ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیّت سے کھڑا ہوا، اسکے گذشتہ گناہ معاف فرمادیے جاتے ہیں اور جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیّت سے رمضان المبارک کے روزے رَکھے، اسکے گذشتہ گناہ معاف فرمادیے جاتے ہیں''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں لیلۃُ القدر کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر انسان اس رات ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیّت سے اللہ جل جلالہٗ کی عبادت کرے تو پچھلے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

رمضان المبارک کی فضیلت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جو بھی ایمان اور ثواب کی نیّت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے گا، اس کے پچھلے سب گناہ معاف کیے جائیں گے۔

رمضان المبارک کی اپنی فضیلت اور لیلۃ القدر کی اپنی فضیلت مل کر انسان کیلئے ان ایام میں دو فضیلتیں بن جاتی ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی بے پناہ رحمت کا اِظہار فرماتا ہے۔

یاد رَہے کہ روزے کا مقصد جو کہ تقویٰ حاصل کرنا ہے، اسکو پوری طرح مدِّنظر رکھا جائے اور لیلۃُ القدر میں نفل نمازوں یا تلاوت قرآن حکیم کرتے ہوئے رِیا سے بچا جائے اس رات اپنے گناہوں کی بخشش کا وظیفہ خاص وظیفہ ہونا چاہیے۔

○.....○.....○

حدیث ۶۰ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بِثَلٰثٍ صِیَامِ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ وَرَکْعَتَیِ الضُّحٰی وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۸۵۹)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین امور کی وصیت فرمائی، ''ہر مہینہ میں تین دِن کے روزے رَکھنا، چاشت کی دو رکعتیں پڑھنا اور یہ کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھوں''۔

نوٹ: حضرت موسیٰ بن طلحہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے (حضرت) ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اگر تم مہینے میں تین دِن روزہ رَکھو تو تیرہ (۱۳)، چودہ (۱۴) اور پندرہ (۱۵) تاریخ کو رَکھا کرو''۔ (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۶۶۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہر مہینے تین دِن روزے رَکھنا، پورا سال روزے رَکھنے کے برابر ہے۔ اسکی تصدیق میں اللہ رَبّ العزت فرماتا ہے، ''**مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا**ج.....'' (الانعام ۶، آیت ۱۶۰) ترجمہ ''جو کوئی ایک (۱) نیکی لے کر آئے گا، اسکو اسکے مثل دَس (۱۰) نیکیاں ملیں گی.....''۔ (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۶۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جس نے چاشت کی دو رکعت ہمیشہ پڑھیں، اسکے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ کی طرح ہی کیوں نہ ہوں'' (ترمذی، جلد اوّل، حدیث ۴۱۳)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حدیثِ قدسی نقل فرماتے ہیں، ''اے بنی آدم! تو میرے لیے دِن کے شروع میں چار رکعت پڑھ لے، میں تیرے دِن بھر کے کاموں کو پورا کروں گا'' (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۴۱۲)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص چاشت کی نماز بارہ رکعت پڑھے، اللہ رَبّ العزت اسکے

لیے جنت میں سونے کا ایک محل تیار فرماتا ہے۔ (چاشت کا وقت دِن چڑھنے کے بعد سے زوال تک ہوتا ہے) (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۴۱۰)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری طرف نکلے اور فرمایا، ''اللہ جل جلالہٗ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، یہ وتر ہے۔ یہ اللہ جل جلالہٗ نے تمہارے لیے عشاء اور طلوعِ فجر کے درمیان مقرر فرمائی ہے'' (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۳۹۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمایا کہ ''سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو'' (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۳۹۳)

○.....○.....○

حدیث۶۱ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَاتِی عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ'' لَایُبَالِیَ الْمَرءُ مَااَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث۱۹۳۳)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص یہ پرواہ نہ کرے گا کہ جو مال اس نے لیا ہے، وہ حلال ہے یا حرام؟''

نوٹ: یہ حدیث شریف ہمارے زمانے پر بالکل صادق آتی ہے۔ ہم دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اس بات کی ذرا پرواہ نہیں کرتے کہ یہ حلال ہے یا حرام اور اسکے نتائج یہ نکل رہے ہیں کہ ہم پر اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے ہر دِن ایک نئی مصیبت سامنے آجاتی ہے۔ اگر ہم اپنے رویوں کو درست کرلیں اور ایمانداری سے کام لیں تو اللہ جل جلالہٗ ہماری ہر سطح پر مدد فرمائے گا اور ہمارے دُشمنوں کو زِچ فرمادے گا۔ اللہ جل جلالہٗ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ میں مؤمنین کا حامی و مددگار ہوں ''وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝'' (آلِ عمران۳، آیت ۶۸)۔ اگر ہم مؤمن بن جائیں تو اللہ جل جلالہٗ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی اور اللہ جل جلالہٗ سے بڑھ کر کون زیادہ طاقتور ہے؟

حلال اور حرام کی تمیز کی لیے تعلیم کی ضرورت ہے جس کی طرف ہماری حکومتیں کوئی توجہ نہیں دے رہیں۔ تعلیم کے بغیر ہم اپنے فعل کو کیسے درست کر سکتے ہیں؟ اس کے لیے ہمیں ذاتی طور پر تعلیم کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور ہمیں حکومت کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ تعلیم کو عام کرے اور اس کے معیار کو بلند کر کے بین الاقوامی معیار پر لائے۔ اگر ہم ایمانداری اور سچے رویّے سے اللہ تعالیٰ کو دوست بنالیں تو ہر محاذ پر اپنے دُشمنوں کو شکست دے سکیں گے۔

یاد رَکھنا چاہیے اور مکرر کہتا ہوں کہ یاد رَکھنا چاہیے کہ ہمارے اندرونی دُشمن بھی ہیں جو دوستوں کی شکل میں اپنے آپکو ظاہر کرتے ہیں لیکن دَراصل انکی کوشش ساری کی ساری ملک اور عوام کے خلاف ہوتی ہے اور انکو پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔ بنیادی بات

ان میں یہ ہے کہ وہ ملک میں فساد اور انتشار کئی طریقوں سے برپا کرتے ہیں جس سے ملکی معیشت کا گراف نیچے سے نیچے جا رہا ہے۔ آج کل اپنی عزت بچانے کیلئے اور اپنے دین کی حفاظت کیلئے جب تک معیشت مضبوط نہیں ہوگی، ہم دوسروں کے دستِ نگر رہیں گے۔ بھکاریوں کی طرح دوسرے ملکوں سے مدد (Aid) لے کر پوری قوم کو یہ گروہ ذلیل سے ذلیل کرتا جا رہا ہے۔ اگر یہ سلسلہ دیر تک رہا تو ایک وقت آئے گا کہ ہمارا آزادانہ وجود بھی سخت خطرے میں پڑ جائے گا۔

ہر سیاسی گروہ حب الوطن نہیں ہے۔ ہمیں اپنی بصیرت کی آنکھوں کو استعمال کرنا چاہیے اور سیاسی لیڈروں کے بظاہر سبز باغ دکھائے جانے کے پیچھے انکی اصلی نیتیں بھانپنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔

○.....○.....○

حدیث ۶۲ : عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُبْسَطَ لَہٗ رِزْقُہٗ اَوْ یُنْسَاءَ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث ۱۹۳۹)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جسکو یہ پسند ہو کہ اسکا رزق وسیع ہو یا اسکی عمر لمبی ہو تو وہ صلہ رحمی کرے''۔

نوٹ: اللہ جل جلالہٗ فساد کو ناپسند فرماتا ہے۔ اَمن، صلہ رحمی اور بھائی چارے کے رویّے کو پسند فرماتا ہے۔ خاندان دراَصل قوم کی اکائی ہے جیسے دیوار کی اکائی اینٹ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مؤمن مؤمن کیلئے دیوار کی مانند ہے، جسکی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط رَکھتی ہے''۔

خاندان کے افراد ایک دوسرے کیلئے اینٹ کی مانند ہیں۔ مربوط خاندان مضبوط قوم کا مظہر ہے۔ اگر خاندان غیر مربوط ہے تو قوم میں بھی اتحاد ناممکن ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حدیثِ قدسی نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ''میں اللہ (جل جلالہٗ) ہوں، میں رحمٰن (جل شانہٗ) ہوں۔ میں نے ہی رَحم (شکم مادر یعنی Uterus) کو پیدا فرمایا ہے اور اسے اپنے نام سے منسوب کیا ہے لہٰذا جو شخص رَحم کو ملائے گا (یعنی خونی رشتوں کو متحد رکھے گا)، میں اس سے ملوں گا (یعنی اس سے تعلق رکھوں گا) اور جو رَحم کو قطع کرے گا (یعنی خونی رشتوں کو توڑنے کی کوشش کرے گا)، میں اس سے منقطع ہو جاؤں گا''۔ (ترمذی، جلداوّل، حدیث ۱۷۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''صلہ رحمی کرنے والا (یعنی خونی رشتوں کو متحد رَکھنے والا) وہ نہیں جو کسی قرابت دار کی نیکی کے بدلے نیکی کرے بلکہ وہ ہے جو قطع رحمی کرنے کے باوجود (یعنی ایک رشتے دار تعلقات توڑنے کی کوشش کر رہا ہے)،

اپنے رشتہ دار سے ملے اور تعلقات برقرار رَکھنے کی کوشش کرے'' (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث ۱۷۴۰)

جب صلہ رحمی کی وجہ سے اَمن کا ماحول پیدا ہوتا ہے تو معیشت ترقی کرتی ہے اور رزق کے وسائل بڑھ جاتے ہیں۔

حضرت بہز بن حکیم، انکے والد ماجد اور انکے جد امجد کا بیان ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟'' فرمایا کہ ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ میں عرض گزار ہوا کہ ''پھر''۔ فرمایا کہ ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ میں عرض گزار ہوا کہ ''پھر''۔ فرمایا کہ ''اپنی ماں کے ساتھ''۔ میں عرض گزار ہوا کہ ''پھر''۔ فرمایا کہ ''اپنے باپ کے ساتھ پھر جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہو''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''رَبّ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور رَبّ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے''۔ (ترمذی)

لمبی عمر کا تعلق اس طرح ہے کہ جب آپکے تعلق سب رشتہ داروں کے ساتھ اچھے ہیں تو بیماری کے دوران رشتہ دار کافی مدد کرتے ہیں۔ یہ مدد کئی طریقوں سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے صحت یابی کی دُعا کرنا، ہر وقت طبی امداد فراہم کرنا، صحت کے اصولوں کی ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ اس سے مجموعی طور پر شرح اموات کم ہو جاتی ہے اور عمر کا لمبا ہونا متوقع ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۶۳: اَبُوْ هُرَیْرَۃ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَحْتَطِبَ اَحَدُکُمْ حُزْمَۃً عَلٰی ظَھْرِہٖ خَیْر'' لَّہٗ مِنْ اَنْ یَسْأَلَ اَحَدًا فَیُعْطِیْہِ اَوْ یَمْنَعُہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث ۱۹۴۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں جمع کر کے گٹھالا دکر اپنی پیٹھ پر لائے (اور بازار میں بیچ کر اپنی روزی کمائے)۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی سے سوال کرے، وہ اسکو دے یا نہ دے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی فرمائی گئی ہے اور ہاتھ سے کمانے کی ترغیب فرمائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے'' (مشکوٰۃ، باب 'سوال کرنے کی کس کو اجازت ہے'، حدیث ۱۷۴۶) یعنی جو دوسرے کو بھیک دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بلند درجہ رَکھتا ہے اور جو انسان سے بھیک مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں اور آخرت میں بھی اسکو ذلت دیتا ہے۔

اس حدیث شریف میں ایک اَور اشارہ بھی ہے کہ اگر تم بندوں سے مانگو گے تو کبھی تمہیں ملے گا اور کبھی نہیں ملے گا لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ سے مانگو گے تو تم کبھی بھی محروم نہیں رہو گے کیونکہ رزق کا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ''**اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوْالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ○**'' (الذٰریٰت ۵۱، آیت ۵۸) ترجمہ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے اور وہ قوت والا اور مضبوط ارادے والا ہے''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلا کر عہد لیا کہ میں کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا حتیٰ کہ اگر کوڑا گھوڑے سے گر جائے تو میں اسکو بھی اُٹھانے کیلئے کسی کو نہیں کہوں گا اور اُتر کر خود اسکو اُٹھاؤں گا۔ (احمد، مشکوٰۃ)

ایک اَور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص

سوال سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی حفاظت فرماتا ہے (یعنی غربت سے) اور جو بے نیازی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو (بندوں سے) بے نیاز فرما دیتا ہے اور جو صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکو صبر کی توفیق دیتا ہے اور کسی کو صبر سے بہتر اَور برتر عطیہ نہیں دیا گیا'' (مشکوٰۃ، 'سوال کرنے کی کس کو اجازت ہے'، حدیث ۱۷۴۸)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''سوال کرنا غنی اور سالم الاعضاء کیلئے حلال نہیں اور نہ فقیر کیلئے مگر شدید ضرورت کے وقت اور جو شخص مال کو جمع کرنے کیلئے سوال کرتا ہے تو قیامت کے دِن اسکے چہرے پر زخم ہوں گے اور وہ جہنم کے جلتے پتھر کھائے گا۔ اَب تم چاہو، زیادہ پتھر کھاؤ یا کم'' (مشکوٰۃ، حدیث ۱۷۵۴)

ان احادیث مبارکہ سے بالکل واضح ہے کہ (بلاضرورت) کسی انسان یا کسی بینک اور قوم سے اپنے لیے مانگنا یا قوم کیلئے مانگنا اور پھر اسکو سارے کا سارا ہڑپ کر جانا کتنی ذلّت آمیز حرکت ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۶۴ : عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرَی وَاِذَا اقْتَضٰی ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۹۴۸)

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے اس انسان پر رحم فرمایا جس نے خرید وفروخت میں اور حق طلب کرنے میں نرمی اختیار کی''۔

نوٹ: اللہ جل جلالہٗ رحم کرنے والے انسان پر رحم فرماتا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''**اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ**''، ترجمہ ''رحم کرنے والوں پر رحمان رحم فرماتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور حدیث شریف میں فرمایا، ''ہم نرمی کیلئے بھیجے گئے ہیں، تنگی کیلئے نہیں''۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''اللہ ربّ العزت اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا جو خرید وفروخت میں نرمی کرے گا'' (ابن ماجہ، جلد اوّل، حدیث ۲۲۷۹)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اس آدمی سے کلام نہیں فرمائے گا، نہ اسکی جانب دیکھے گا، نہ اسے پاک فرمائے گا اور اس کیلئے دَردناک عذاب ہوگا جو جھوٹ بول کر مال بیچتا ہے'' (ابن ماجہ، جلد اوّل، حدیث ۲۲۸۵)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''تجارت میں قسمیں کھانے سے بچو۔ شروع میں تو اس سے مال فروخت ہو جاتا ہے لیکن برکت اُٹھ جاتی ہے'' (ابن ماجہ، جلد اوّل، حدیث ۲۲۸۶)

○.....○.....○

حدیث ۶۵: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السُّوْءِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْکِ وَکِیْرِ الْحَدَّادِ لَایَعْدَمُکَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْکِ اِمَّا اَنْ تَشْتَرِیَہٗ وَاِمَّا تَجِدَ رِیْحَہٗ وَکِیْرُ الْحَدَّادِ یُحْرِقُ بَیْتَکَ اَوْ ثَوْبَکَ اَوْ تَجِدُ مِنْہُ رِیْحًا خَبِیْثَۃً۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۱۹۷۳)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''نیک آدمی کی صحبت اور بُرے آدمی کی صحبت کی مثال مشک والے اور لوہار کی بھٹّی کی سی ہے۔ مشک والے سے تو تُو محروم نہیں رہے گا۔ یا تو تُو اس سے مشک خریدے گا (اگر یہ نہیں) تُو اسکی خوشبو تو ضرور پائے گا اور بھٹّی والا یا تو تیرا گھر جلا دے گا یا تیرا کپڑا یا پھر تُو اس سے بدبودار ہوا پائے گا''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں ہمارے لیے ہدایت یہ ہے کہ اچھے اور نیک آدمی کو اپنا ساتھی بنانا چاہیے اور بُرے آدمی کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ اچھا ساتھی اور دوست آرام اور سکون کا باعث بنتا ہے اور بُرا ساتھی آگ کی بھٹی کی طرح تکلیف اور نقصان کا سبب بنتا ہے۔ اچھا ساتھی وہ ہے جو حاضر اور غائب میں آپکا خیر خواہ رہتا ہے، مصیبت کے وقت آپکا ساتھ دیتا ہے، اچھی نصیحت کرنے والا ہے، بُرے کاموں سے آپکو روکنے والا ہے، آپکا راز اپنے سینے میں چھپائے رکھتا ہے، آپکی غلطیوں پر پردہ ڈالنے والا ہے اور غلطیوں کو شائستگی سے درست کرنے والا ہے، آپ کیلئے وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

بُرا ساتھی وہ ہے جس میں کوئی خلوص نہیں۔ وہ اپنے لیے کچھ اور پسند کرتا ہے اور آپ کیلئے کچھ اَور۔ اسکی واضح مثال ہمارے حکمران ہیں۔ ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں، وہ اپنے لیے کچھ اور پسند کرتے ہیں اور ہمارے لیے کچھ اَور۔ وہ ہمارے بدترین ساتھی ہیں۔ ان سے جتنا دُور رہا جائے، اتنا ہی آپ اپنے ایمان کی حفاظت کر لیں گے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہمارے حکمران اور سیاسی لوگ ہم سے کتنے وعدے کرتے ہیں اور سبز باغ دکھاتے چلے جاتے ہیں لیکن عمل اسکے بالکل برعکس ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں ساتھی کا چناؤ بڑے احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ آپکی اصلی زندگی یعنی آخرت کا گھر آپکے اعمال پر منحصر ہے اور آپکے اعمال ویسے ہی ہو جائیں گے جیسے آپکا ساتھی ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث۶۶: عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ الْحَسَنِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اِذَا اَتَاہُ رَجُلٌ'' فَقَالَ یٰاَبَاعَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اِنِّیْ اِنْسَانٌ'' اِنَّمَا مَعِیْشَتِیْ مِنْ صَنْعَۃِ یَدِیْ وَاِنِّیْ اَصْنَعُ ھٰذِہِ التَّصَاوِیْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا لَا اُحَدِّثُکَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَۃً فَاِنَّ اللّٰہَ مُعَذِّبُہٗ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْھَا اَبَدًا فَرَبَا الرَجُلُ رَبْوَۃً شَدِیْدَۃً وَاصْفَرَّ وَجْھُہٗ فَقَالَ وَیْحَکَ اِنْ اَبَیْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَیْکَ بِھٰذَا الشَّجَرِ وَکُلِّ شَیْءٍ لَیْسَ فِیْہِ رُوْحٌ''۔(تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث۲۰۸۶)

ترجمہ : حضرت سعید بن ابی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا کہ انکے پاس ایک مرد آیا اور کہا، ''اے ابا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما! میں ایک انسان ہوں۔ میرا پیشہ صرف دستکاری ہے۔ میں یہ تصویریں بناتا ہوں''۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''میں تجھے وہی بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے کوئی تصویر بنائی، اللہ تعالیٰ اسکو عذاب دیتا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس میں روح ڈالے اور وہ کبھی اس میں روح نہیں ڈال سکے گا''۔اس شخص نے سخت اُبھرا ہوا سانس لیا اور اسکا چہرہ زرد پڑ گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''تیرا بھلا ہو اگر تو نے ضرور کچھ بنانا ہے تو ان درختوں کی تصویریں اور ہر وہ اشیاء جن میں روح نہیں ہے، انکی تصویریں بنالیا کرو''۔

نوٹ: جاندار کی تصویر بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ غیر ذی روح اشیاء کی تصویریں بنانا جائز ہے۔ حضرت عون بن ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے'' (تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث ۱۹۵۸)۔

اس حدیث شریف پر ذرا دوبارہ غور کریں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تصویر بنانے والے پر آخرت میں عذاب ہوگا'' تو یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کا سانس پھول گیا اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ ہم روزانہ بہت سی ایسی حدیثیں اپنے علماء کرام سے سنتے ہیں لیکن ہم پر ذرا بھی اَثر نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں قیامت کی ہولنا کی اور دوزخ کے عذاب کا کثیر ذکر موجود ہے۔ ہم ان آیات کو بار بار پڑھتے ہیں لیکن ہم ان پر غور کرتے ہیں، نہ ہی ان سے اَثر لیتے ہیں۔ ہم ایسے بن گئے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ ''لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ۝'' (الاعراف ۷، آیت ۱۷۹) ترجمہ ''وہ کان رکھتے ہیں، سنتے نہیں۔ آنکھیں رَکھتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ دِل رکھتے ہیں، غور نہیں کرتے۔ وہ تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ بالکل ہی غافل ہو گئے ہیں''۔

قیامت کی ہولنا کی سورۃ القارعۃ میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے جو کہ یہاں درج کی جاتی ہے، ''اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝'' (القارعۃ ۱۰۱، آیت ۱-۱۱) ترجمہ ''وہ ایک ہولناک حادثہ ہوگا۔ وہ ہولناک حادثہ کیا ہے؟ تم کیا سمجھے کہ وہ ہولناک حادثہ کیا چیز ہے؟ (سنیے) اس ہولناک حادثے کے دِن لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکی ہوئے اُون کی طرح ہو جائیں گے (اور اعمال تولے جائیں گے) پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہ دِل پسند عیش میں ہوگا یعنی جنت میں اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے، اس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگی اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے یعنی جہنم کی''۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

حدیث ٦٧ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ ثَلٰثَةٌ'' اَنَا خَصِمُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ'' اَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ'' بَاعَ حُرًّا فَاَکَلَ ثَمَنَهٗ وَرَجُلُ نِ اسْتَاجَرَا اَجِیْرًا فَاسْتَوْفٰی مِنْهُ وَلَمْ یُعْطِ اَجْرَهٗ ۔(تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث ۲۰۸۸)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا،''میں قیامت کے دِن تین شخصوں کا مخالف ہوں گا۔(۱)ایک وہ جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اسکو توڑ دیا۔(۲)دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ دیا اور اسکی قیمت کھائی۔(۳)تیسرا وہ جس نے کوئی مزدور کرایہ پر لیا اور اس سے پورا کام لیا اور اسکی اجرت نہ دی''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔ایک وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف لیا اور پھر اسکو توڑ دیا۔دوسرا وہ جس نے آزاد آدمی کو زبردستی غلام بنالیا۔تیسرا وہ جس نے مزدور کی مزدوری اَدا نہیں کی۔

ہمارے اقتدارِ بالا میں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف لیے جاتے ہیں، ان پر سختی سے پابندی نہیں کی جاتی۔قیامت میں تو جو عذاب ہوگا، وہ اللہ جل جلالہٗ بہتر جانتا ہے، اس دُنیا میں اس رویے کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ ہماری سیاست ابھی تک سیدھے راستے پر نہیں آئی اور ہمارے ادارے عوام کے ساتھ ظالمانہ سلوک رَکھتے ہیں۔

حلف سے وفاداری نہ کرنے کا نتیجہ یہ بھی دیکھ لیا گیا ہے کہ ہر حکمران ذلیل ہو کر اپنے اقتدار کو چھوڑتا ہے اور مرتے دَم تک ذلّت اور رسوائی ہی میں رہتا ہے۔

مزدور کو اسکی اُجرت نہ دینا انتہائی ظلم ہے۔ایک دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسکی مزدوری ادا کرو۔مزدور کی مزدوری دینے میں ہم اکثر دیر کرتے ہیں حالانکہ بروقت بھی دے سکتے ہیں۔اسکی سزا مزدور کو نہیں، ہمیں ملے گی۔اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مظلوم کی بددُعا سے بچو کیونکہ اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔(مشکوٰۃ، باب کتاب الزکوٰۃ)

حدیث ۶۸ : عَنْ طَلْحَةَ ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ لِیْ جَارَیْنِ فَاِلَی اَیِّهِمَا اُهْدِیْ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَی اَقْرَبِهِمَا مِنْکِ بَابًا۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۱۱۷)

ترجمہ : حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرمائی کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے دو ہمسائے ہیں، ان میں سے میں کس کو ہدیہ دوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں ہمارے لیے ہدایت یہ ہے کہ جو ہمسایہ ہمارے زیادہ قریب ہے، اسکا حق ہم پر دُور کے ہمسائے سے زیادہ ہے۔

اگر ہم اس اصول کو اپنی زندگی کا ایک معمول بنائیں تو پوری قوم میں ایک ایسی یگانگت اور اتحاد پیدا ہو جائے گا جو کہ وقت آنے پر دُشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائے گا لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر ہمسائے ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں اور انکے لڑنے کی وجوہات یا تو مذہبی اختلاف ہوتا ہے یا سیاسی۔ کیا ہمارے علماء کرام اور سیاست دانوں نے قوم میں اتحاد پیدا کرنے کے بجائے انتشار پیدا کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے؟

روزمرہ کی زندگی میں اپنے ہمسائے کی ضروریات کا خیال رکھنا بہترین معاشرتی آداب میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اچھے اخلاق (معاشرتی آداب) رکھتا ہے''۔ (مشکوٰۃ، نرمی، حیا اور خوش خلقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا میں تمہیں وہ شخص نہ بتاؤں جو آگ پر حرام ہوتا ہے اور آگ اس پر حرام ہوتی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو نرم طبیعت، نرم زبان، گھل مل کر رہنے والا اور درگزر کرنے والا ہے''۔ (مشکوٰۃ، حدیث ۴۸۰۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان سے اذیتوں پر صبر کرتا ہے اور یہ اس سے افضل ہے جو لوگوں سے نہ ملے اور ان سے تکلیفوں پر صبر نہ کرے''۔ (مشکوٰۃ، حدیث ۴۸۶۳) (ترمذی، ابن ماجہ)

حدیث۶۹ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اِلَّا رَعٰی الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ کُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰی قَرَارِیْطَ لِاَهْلِ مَکَّةَ۔
(تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث۲۱۲۰)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ رَبّ العزت نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس نے بکریاں چرائی ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی (بکریاں چرائی ہیں)؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہاں! میں مکہ والوں کی بکریاں چند قراریط (۱) پر چرایا کرتا تھا''۔

نوٹ: جانوروں کی دیکھ بھال کرنے سے انسان میں انتظامی قابلیت پروان چڑھتی ہے۔ جانور جب ریوڑ کی صورت میں ہوں تو انتظام کرنا مزید پیچیدہ اور سخت محنت طلب ہو جاتا ہے۔

ہر نبی کو نبوت سے پہلے اسی لیے بکریاں چرانے کا موقع فراہم کیا گیا تاکہ وہ وقت آنے پر انسانی آبادی کا انتظام بخوبی سرانجام دے سکے۔

ریوڑ کے جانوروں کی دیکھ بھال اسکے مالک پر ذمہ داری عائد کرتی ہے۔ جانور بذاتِ خود تو بول نہیں سکتا اور نہ ہی اشارے سے اپنی تکلیف کو بیان کر سکتا ہے، نہ کسی طریقے سے اپنے دُشمن کی نشاندہی یا اسکی خبر اپنے مالک کو دے سکتا ہے اور نہ ہی بھوک کا اظہار کر سکتا ہے۔ روزمرہ کے موسم کا تغیر وتبدل بھی اسکے احساسات سے باہر ہے۔ اگر ریوڑ کا مالک ایک ایک جانور کی حفاظت کو اپنا فرضِ اوّلین نہیں سمجھے گا تو آہستہ آہستہ اسکا ریوڑ کم ہوتا جائے گا اور اسکی نااہلی کی وجہ سے ایک بہت بڑی دولت اسکے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ نبیوں کو جب یہ ذمہ داری سونپی گئی تو انہوں نے اس ذمہ داری کو اپنی انتہائی صلاحیتوں سے پوری طرح ادا فرمایا۔ ایک ایک جانور کی دیکھ بھال، اسکے چارے کا بندوبست، اسکی بیماری کا علاج، بھیڑیوں اور شیروں سے حفاظت، چوروں

(۱) قراریط قیراط کی جمع ہے۔ یہ سکہ تھا۔

اور ڈاکوؤں سے حفاظت اتنی محنت سے کی کہ جب انہیں نبوت عطا فرمائی گئی تو اسی محنت سے انہوں نے اپنی اُمت کی حفاظت فرمائی۔ انکی اُمت انکے لیے ایک بہت بڑی دولت تھی کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کا نبی ہوگا اور دوسری طرف اسکی قوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ فیصلہ حقائق پر فرمائے گا۔

یہ تربیت نبیوں کیلئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ہر انسان کو اگر اس تربیت کا موقع مل جائے تو اسکی انتظامی صلاحیتیں عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ تاریخی حقائق میں ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں یہ ہوا کہ ایک علاقے کے گورنر کی شکایات جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچیں تو انہوں نے اس گورنر کو بلایا اور اسکے ہاتھ میں ڈنڈا دے کر چند بکریوں کے ساتھ اسکو مدینہ منورہ کے باہر بھیج دیا کہ کچھ عرصہ بکریاں چراؤ تا کہ تم انسانوں کی دیکھ بھال کا سلیقہ سیکھ جاؤ۔ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی حکمت کی بات بتائی:

گر کوئی شعیبؑ آئے میسر ..... شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

ہم ساٹھ (۶۰) سال سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا چرواہا (حکمران) اپنی ذات میں مست ہوتا ہے اور بھیڑیں بھیڑیوں کے حوالے کی ہوتی ہیں۔ ہر دفتر اور ادارے میں بھیڑیے ہی بھیڑیے نظر آتے ہیں۔

○.....○.....○

حدیث ۷۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَایُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَایَنْظُرُ اِلَیْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰی سِلْعَتِهٖ لَقَدْ اُعْطِیَ بِهَا اَکْثَرَ مِمَّا اُعْطِیَ وَهُوَ کَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ کَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِیَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ الْیَوْمَ اَمْنَعُکَ فَضْلِیْ کَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَآءٍ لَمْ تَعْمَلْ یَدَاکَ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۱۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت میں کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی انکو نظر کرم سے دیکھے گا (۱) ایک وہ شخص جس نے سامان بیچتے وقت قسم کھائی کہ اسکی قیمت اس سے زیادہ مل رہی تھی حالانکہ وہ اس بات میں جھوٹا تھا (۲) دوسرا وہ شخص جس نے عصر کے بعد (اپنا مال بیچنے کیلئے) جھوٹی قسم کھائی تا کہ مسلمان کا مال بکنے سے روک دے (۳) تیسرا وہ شخص جو زائد پانی سے لوگوں کو روکے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج کے دِن میں تجھ سے اپنا فضل روک لیتا ہوں جیسے تو نے زائد پانی روک رکھا تھا جو تو نے اپنے ہاتھوں سے حاصل نہیں کیا تھا (یعنی بارش کا پانی)''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہم سامان بیچتے وقت جھوٹی قسم کھانے سے اللہ جل جلالہٗ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان بار بار قسم کھانے سے خواہ وہ سچی بھی ہو، پرہیز کیا جائے۔ اس طرح جھوٹی قسم کھانے سے بھی انسان بچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جیسے کہ بارش کا پانی جو بلا معاوضہ ملے، ان پر سب کا حق برابر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پانی کی بہت قلت ہوتی تھی، اسلئے یہاں پانی کا ذکر فرمایا ہے۔

اسی سے یہ اصول نکلتا ہے کہ تجارتی اشیاء میں معاشرے میں جس چیز کی لوگوں کو ضرورت ہے، وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد لوگوں کی ضرورت کیلئے نرم داموں فروخت کرنے کیلئے بازار میں لے آئے یا اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دے۔ اس میں آج کل کے زمانے کی اصطلاح کے مطابق ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

حدیث ۱۷: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَ هَا اَدّٰی اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۲۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو کوئی لوگوں کے مال (قرض) اس نیّت سے لیتا ہے کہ وہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے) اور جو کوئی اس غرض سے لیتا ہے کہ اس کو ضائع کرنا ہے یعنی ادا کرنے کا ارادہ نہیں رَکھتا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع فرما دیتا ہے''۔ (یعنی اس کی ضرورت پوری نہیں ہوتی)

نوٹ: یہ حدیث شریف اُدھار کے متعلق ہے۔ جو شخص لوگوں سے مال اس نیّت سے لیتا ہے کہ اس نے اُدھار واپس کرنا ہے تو اللہ جل جلالہٗ اسکے مال میں ترقی دیتا ہے اور وہ آسانی سے اُدھار واپس کر دیتا ہے۔

جو شخص لوگوں سے مال اُدھار اس نیّت سے لیتا ہے کہ اسکا واپس کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسکے مال اور کاروبار میں برکت روک لیتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مالی طور پر اُدھار واپس کرنے کی صلاحیت ہی حاصل نہیں کر پاتا۔

ہمارے ہاں یہ ایک اخلاقی بیماری ہے کہ ہم اُدھار لے کر شاید ہی واپس کرتے ہیں جس سے مجموعی طور پر ہماری معیشت ترقی پذیر نہیں ہوتی اور ہمارا ملک غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

حکومتی سطح پر بھی ہم اُدھار لیے جاتے ہیں اور وہ کم ہی واپس کرتے ہیں۔ اسکے اثرات اس دُنیا میں بھی غربت اور ذلّت کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ندامت اور ذلّت ہوگی۔

○.....○.....○

حدیث ۷۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَھَبًا مَّا یَسُرُّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰث'' وَعِنْدِیْ مِنْہُ شَیْءٌ'' اِلَّا شَیْءٌ'' اُرْصِدُہٗ لِدَیْنٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۳۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ بھی سونے کا ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ تین دِن گزریں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بچا رَہے سوائے اسکے کہ اسکو میں قرض ادا کرنے کیلئے رکھوں (یعنی پورے کا پورا سونے کا پہاڑ تین دن کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں)''۔

نوٹ: یہاں مال کو اپنے پاس جمع نہ کرنے کے متعلق نصیحت کی گئی ہے۔ انسان کو سب سے پہلے اپنا قرض ادا کرنا چاہیے۔ باقی مال جو کچھ انسان کے پاس ہو، اسکو اپنی اور اپنے گھر کی ضروریات میں صَرف کرے۔ جو بچ جائے، اسکی زکوٰۃ دے۔ جو پھر بچ جائے، اسکو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا، ''وَیَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط'' (البقرہ۲، آیت ۲۱۹) ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو کہ اپنی ضروریات سے جو زائد ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دو''۔ اس آیت شریفہ کا ایک اَور بھی مفہوم ہے کہ ''جو کچھ خرچ کرنا چاہتے ہو، اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ خرچ کرو جو نفیس مال ہو (''اَلْعَفْو'' کا ایک مطلب ''زائد'' ہے، دوسرا مطلب ''نفیس'' ہے)''۔

پھر قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ خرچ کرنے کی ترجیحات بھی بتا دی ہیں مثلاً قرآن حکیم میں ہے ''یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ'' ○ ''(البقرہ۲، آیت ۲۱۵) ترجمہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھتے ہیں (کہ اللہ

تعالیٰ کی راہ میں) کیا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو (وہ درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور جو بھلائی تم کرو گے، خدا اسکو جانتا ہے''۔

اللہ جل جلالہٗ کے راستے میں مال خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا سارا مال اللہ جل جلالہٗ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''کم خرچ کرو''۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ''آدھا خرچ کروں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اَور کم کرو''۔ اس نے عرض کیا، ''کیا تیسرا حصہ خرچ کرسکتا ہوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسکی اجازت مرحمت فرمادی۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۳۴۸)

اسکے برعکس نہ ہی انسان کنجوسی سے کام لے اور بالکل ہی اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کم سے کم خرچ زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے جو کہ فرضِ عین ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے رِیا سے خاص طور پر بچنا چاہیے۔ رِیا سے کی گئی نیکی ضائع ہوجاتی ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۳۷: اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ''۔(تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۴۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے''۔

نوٹ: یعنی قرض کے بارے میں اَدا کرنے کیلئے ٹال مٹول سے کام لینا تا کہ قرض ادا کرنے سے بچ جائے، حق ادا نہ کرنے کی نیّت ہے، اس سے احتیاط کرنی چاہیے۔قرض بروقت اور احسن طریقے سے ادا کیا جائے کیونکہ قرض ادا نہ کرنے والا ظالموں میں شمار ہوگا اور یاد رَہے کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ''مظلوم کی بددُعا اور اللہ جل جلالہٗ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے''۔

ہمارے ہاں قرض کی ادائیگی کا شعور اتنا کم ہے کہ ایک بہت ہی قلیل تعداد قرض واپس کرتی ہے۔اکثر لوگ یا تو معاف کروالیتے ہیں یا غصب کر لیتے ہیں۔اس طرح ہمارا معاشرہ ایک ظالمانہ معاشرہ بن چکا ہے۔حکومت قرض کی واپسی کے متعلق کوئی خاطر خواہ شعور دلانے کا انتظام نہیں کرتی اور نہ ہی قرض واپس لینے میں قرض خواہ کی مدد کرتی ہے۔ عدالتی نظام اتنا پیچیدہ ہے کہ اس کے اخراجات خود قرض سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔

ایک بہت بڑا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ حکومت بذاتِ خود قومی اور بین الاقوامی بینکوں سے اربوں کھربوں کا قرض لے کر واپس کرنے کے بجائے اس پر سود دیئے چلے جا رہی ہے، اس طرح وہ دو طریقے سے عوام پر ظلم کر رہی ہے۔ایک قرض کا لینا اور واپس کرنے کا ارادہ نہ رکھنا اور دوسرا اس پر سود ادا کرنا جس پر لعنت فرمائی گئی ہے، اس کی مرتکب ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۴۷: عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ سَالِمًا اَخْبَرَهُ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُوْا الْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُهُ وَلَایُسْلِمُهُ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنه کُرْبَةً مِنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۔(تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۷۹)

ترجمہ : حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ انکو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ اسکو ذلیل وخوار کرے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے، اللہ تعالیٰ اسکی حاجت پوری فرمائے گا اور جو کوئی مسلمان کی مصیبت دُور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے مصائب اس سے دُور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کے عیب چھپائے، اللہ تعالیٰ قیامت میں اسکے عیب چھپائے گا''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کو ہمیں بار بار پڑھنا چاہیے۔ روزانہ اسکو بلا ناغہ دو دفعہ پڑھنے کی کوشش کریں۔ صبح جب ہم کام کیلئے نکلتے ہیں، شام کو جب ہم گھر واپس آتے ہیں کیونکہ ہماری پوری زندگی اس وقت ان باتوں کے خلاف چل رہی ہے جن سے اس حدیث شریف میں ہمیں متنبہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث شریف میں جن باتوں پر زور دیا گیا ہے، وہ حقوق العباد پر مشتمل ہیں مثلاً (۱) ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھو، (۲) کسی مسلمان پر ظلم نہ کرو، (۳) کسی مسلمان کو ذلیل نہ کرو، (۴) ہر مسلمان کی جہاں تک ممکن ہو، حاجت پوری کرو، (۵) ہر مسلمان کی مصیبت کو دُور کرنے کی کوشش کرو، (۶) ہر مسلمان کا عیب چھپاؤ۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے بھائی کی مانند ہے۔ اگر آپکے سامنے چھوٹا بھائی ہے تو شفقت سے برتاؤ کرو۔ اگر وہ آپ سے بڑا ہے تو عزت اور احترام سے پیش آؤ۔

آج کا نوجوان نہ شفقت کرتا ہے، نہ بڑے کی عزت کرتا ہے۔ اس میں ہمارے

تعلیمی نظام کا قصور ہے جو کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اخلاق و آداب سے لاشعور ہیں۔

ہمارے بڑے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتے۔ بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا بڑوں کا معمول ہے۔ گھر میں والدین بچوں کے درمیان مساوی سلوک نہیں کرتے۔ غیر مساوی سلوک دِل شکنی پیدا کرتا ہے جسکا ردّعمل یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑوں کا احترام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

ظلم کی کئی صورتیں ہیں۔ ہمارے معاشرے میں خاص طور پر مال و دولت کے سلسلے میں ظلم عام ہے۔ اُدھار لے کر واپس نہیں کیا جاتا، وراثت غلط تقسیم کی جاتی ہے، دھوکہ دہی اور بے ایمانی عروج پر ہے، چوری ڈاکے کی وارداتیں عام ہوگئی ہیں، قتل معمولی معمولی بات پر ہورہے ہیں۔

ظلم کے سدّ باب کیلئے دو اقدامات ضروری ہیں۔ **تعلیم کو عام** کرنا اور اسکے معیار کو بلند رَکھنا۔ دوسرا ملک کی انتظامی مشینری میں عدل و انصاف کے **شعور کو بیدار کرنا** کہ ہر شہری کو انصاف ملے۔

ذلیل کرنے کے بھی کئی طریقے ہیں۔ غیبت اور چغلی عام ہے۔ جھوٹے مقدمے بے شمار ہیں۔ گالی دینا معمولی سمجھا جاتا ہے۔ پیشہ کی بنا پر کسی کو حقیر خیال کیا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے سب کو برابر پیدا فرمایا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ بندوں کی حاجات پوری کرنے میں لگ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی حاجتیں پوری فرمانے میں لگ جاتا ہے۔ جو مصیبت کے وقت اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑے گا، اللہ جل جلالہٗ مصیبت کے وقت اسکا ہاتھ پکڑے گا۔ کسی کا عیب چھپانا بہت بڑی نیکی ہے۔ جو دوسرے کا عیب چھپاتا ہے، اللہ جل شانہٗ اسکا عیب چھپاتا ہے۔ قیامت کے دِن ایک آدمی حساب کیلئے حاضر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دوسروں سے چھپا کر اس سے ایک ایک گناہ کا اعتراف کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ ''دیکھو دُنیا میں میں نے تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالے رَکھا، اَب بھی میں انکو چھپائے رَکھتا ہوں'' اور جو کچھ نیکیاں اس نے کی ہوں گی، اسکے بدلے اسکو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

○.....○.....○

حدیث ۵۷: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ انْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ! ھٰذَا نَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ نَنْصُرُہٗ ظَالِمًا؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ تَاْخُذُ فَوقَ یَدَیْہِ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۸۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو''۔ لوگوں نے کہا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم اسکی مدد کریں گے جبکہ مظلوم ہو لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اسکا ہاتھ پکڑ لو''۔

نوٹ: جب معاشرے کی اکثریت خود ظالم بن جائے تو پھر مظلوم یا ظالم کی مدد کون کرے گا؟ یہ ہیں اس وقت کے حالات جن میں سے ہم گزر رہے ہیں۔ اکثریت کا رویّہ اپنے بھائی سے ظالمانہ ہوتا ہے اور انصاف حاصل کرنے کیلئے جو ہمارے پاس نظامِ عدل ہے، اس میں بے شمار خامیاں ہیں۔ یہ کیفیت انسان میں لالچ، خودغرضی، حسد اور کینہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اِسلام ان تمام چیزوں کو رَدّ کرتا ہے اور اسکی جگہ عفوودَرگزر، قناعت اور صبر کی تلقین کرتا ہے۔

ہمارے ہاں حقوق کی ادائیگی کا شعور بالکل ختم ہو چکا ہے۔ ہم بحیثیت قوم کے نہ تو اللہ جل جلالہٗ کے حقوق ادا کرتے ہیں، نہ بندوں کے۔ شرک بدترین ظلم ہے جو کہ ہماری صفوں میں جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے اور بندوں کے حقوق کا غصب کرنا ہمارا روزمرّہ کا وطیرہ ہے۔ کیا ہم واقعی مسلمان ہیں؟ وماعلینا الاّ البلاغ

○.....○.....○

حدیث ۶۷ : عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَات'' یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۸۴)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ظلم کرنا قیامت میں تاریکیوں کا سبب ہوگا''۔

نوٹ: قیامت میں باطل اندھیرا ہوگا اور حق روشنی ہوگا۔ حق کی روشنی میں حق پر زندگی بسر کرنے والے قیامت کے دِن جنت کی طرف جانے والا راستہ روشن پائیں گے۔ قرآن حکیم میں ہے ''**یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ بُشْرٰکُمُ الْیَوْمَ جَنّٰت'' تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○**'' (الحدید ۵۷، آیت ۱۲) ترجمہ ''وہ دِن (بھی یاد رَکھنے کے قابل ہے) جب ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ انکا نور انکے آگے اور انکی دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔ آج تم کو بشارت ہے باغوں کی جنکے نیچے ندیاں جاری ہیں۔ جن میں ہمیشہ رہو گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے''۔

باطل یعنی ظلم قیامت کے دِن کوئی روشنی پیدا نہیں کرے گا۔ دُنیا میں باطل پر زندگی بسر کرنے والے انسان اندھیرے میں ہوں گے اور وہ جنت کا راستہ تلاش نہیں کر سکیں گے اور جہنم میں گر جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر چلنے اور باطل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

اس وقت باطل دُنیا میں غالب ہے اور پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رَکھا ہے۔ ہم اس باطل کی مصنوعی چمک سے دھوکا کھا رہے ہیں کہ یہ ہی حق ہے حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَ ھُمْ ○**'' (محمد ۴۷، آیت ۱۴) ترجمہ ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایات پر عمل کرتے ہیں، کیا (تم سمجھتے ہو کہ) وہ اُنکی طرح بُرے ہوں گے جنہوں نے اپنے بُرے اعمال کو خوشنما کیا ہوا ہے حالانکہ وہ صرف اپنی ہوائے نفس (خواہشات) کا اتباع کر رہے ہیں''۔ پورا مغرب اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اُنکے خواہش نفس پر چلنے

والی زندگی جو بظاہر بڑی چمک دمک لیے ہوئے ہے، اصلی تہذیب ہے حالانکہ یہ قرآن حکیم کی رُو سے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ہمیں اپنی عقل سے کام لینا چاہیے کہ اس اندھیرے سے دُور رہیں اور قرآن حکیم کی روشنی کو جو اہل بصیرت کو ہی اس دُنیا میں نظر آتی ہے، نہ چھوڑیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں فرمایا، ''قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ○ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ○'' (الکھف ۱۸، آیت ۱۰۳-۱۰۶) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اعلان کر دو کہ کیا ہم تمہیں اُن لوگوں کے متعلق نہ بتائیں جو اپنے اعمال کی بنا پر نقصان اُٹھانے والے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جنکی دُنیا کی زندگی میں ساری کوشش غارت ہو کر رَہ جائے گی لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رَہے ہیں، بڑے اچھے کام کر رَہے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے احکامات اور اسکی ملاقات کا انکار کرتے ہیں، اسلئے انکے تمام کام ناکارہ ہو گئے ہیں اور قیامت کے دِن ان اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ یہ ہے سزا اُنکی کہ اُنکا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اس وجہ سے کہ انہوں نے ہمارے احکامات کا انکار کیا اور میرے احکامات اور نبیوں کو مذاق ٹھہراتے رَہے''۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○'' (الکھف ۱۸، آیت ۱۰۷) ترجمہ ''جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک عمل کریں گے، وہ جنت الفردوس میں (اللہ تعالیٰ کی) مہمانی سے لطف اندوز ہوں گے''۔

ہماری ظاہری پستی دَراصل اسلئے ہے کہ ہم نے قرآن حکیم کے احکام کی روح کو بھلا کر صرف رسم و رواج کا لبادہ پہنا دیا ہے۔ اگر ہم قرآن حکیم پر دِل و جان سے عمل کریں تو یہ اس دُنیا میں بھی ظلم کو مٹا کر حق کی روشنی دینے کی پوری پوری صلاحیت رَکھتا ہے اور آخرت میں تو لازماً اسکی روشنی جنت کی طرف ہماری رہنمائی کرے گی انشاءاللہ العزیز۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

حدیث ۷۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَاب"۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۸۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم مقرر فرما کے بھیجا تو انہیں فرمایا، ''مظلوم کی (بد) دُعا سے بچتے رہنا کیونکہ اسکی (بد) دُعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں''۔

نوٹ: ظلم کو روکنا حاکم کی ذمہ داری ہے۔

جب کسی کا حق مارا جاتا ہے تو اسکا دِل دُکھتا ہے۔ دُکھتے دِل سے بددُعا کے سوا اور کیا نکلے گا؟ حاکم کا کام ہے کہ ایسا انتظام کرے کہ سب کے حقوق ادا ہوتے رہیں۔ معاشرے میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو حاکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو روکنے کیلئے پولیس اور عدلیہ کے محکمے کارروائی کرتے ہیں۔ اگر مظلوم کی پھر بھی دادرَسی نہ ہو تو اسکے متعلق قیامت میں حاکم جواب دہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مظلوم کی براہِ راست دادرَسی ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک کے سربراہ (صدر) ہونے کی حیثیت سے خود فیصلے فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بیرونی دباؤ کو تسلیم نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی قبیلے سے بدکاری کا کیس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں آیا۔ یہودیوں نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے سفارش کروانے کی کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا اور فرمانے لگے، ''پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئی ہیں''، یعنی جب معاشرے سے عدل اُٹھ جاتا ہے تو قوم تباہی کے راستے پر چل نکلتی ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام عدل قائم فرمانے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ**

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ''(الحدید ۵۷، آیت ۲۵)''ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) نازل فرمائے تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا فرمایا۔ اس میں بڑی قوت ہے (جس سے مدد لے کر ظلم پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے) اور لوگوں کیلئے دوسرے فائدے بھی ہیں اور اسلئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ تعالیٰ اور اسکے انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انکو معلوم فرمالے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی فرمایا، ''سن لو! کوئی اپنے آپکو اتنا طاقتور نہ سمجھے کہ کوئی اسکا مواخذہ کرنے والا نہیں اور کوئی اپنے آپکو اتنا کمزور نہ خیال کرے کہ اسکی کوئی دادرسی کرنے والا نہیں''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدل قائم کرنے کے راستے میں کوئی دباؤ قبول نہیں فرمایا۔ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو بھی سزائیں دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں فرمائی۔ عدل کی یہ بنیاد جو خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رکھی تھی، صدیوں تک چلتی رہی۔ روایت ہے کہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دربار میں ایک غریب عورت دادرسی کیلئے آتی ہے کہ تیری ہمشیرہ کے بیٹے نے میری بیٹی سے زیادتی کی ہے۔ محمود غزنوی نے تحقیق کروائی تو بات درست نکلی۔ پھر آپ نے اپنے بھانجے کو اپنے ہاتھوں سے تہ تیغ کیا۔

اِسلام اس طرح کے عدل کی بنیاد پر ترقی پذیر رہا۔ اِسلام افغانستان سے نکل کر ہندوستان کے آخری کنارے تک پھیل جاتا ہے۔ کئی مسلم حکومتیں آتی اور چلی جاتی ہیں کہ مغلیہ خاندان کا دَور آجاتا ہے۔ تاریخ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے قصّوں کو دہراتی ہے۔ جہانگیر کا زمانہ حکومت ہے۔ ملکہء ہند نور جہاں اپنے محلّات کی چھت پر سیر کر رہی ہے کہ ایک راہگیر کی نظر اس پر پڑ جاتی ہے۔ ملکہء ہند کو غصّہ آجاتا ہے۔ ترکش سے تیر نکال کر چلا دیتی ہے اور راہگیر کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ مقتول کے ورثاء جہانگیر کے دربار میں قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جہانگیر نے

تحقیقات کے بعد ملکہء ہند کے قتل کا حکم صادر کر دیا ہے۔ وہ ملکہء ہند جو صرف نام کی ملکہ نہیں تھی بلکہ عملی طور پر حکمرانی کر رہی تھی، آج وہ جلاّد کی تلوار کا انتظار کر رہی ہے۔ محلاّت میں خاموشی طاری ہے، دربار میں سنّاٹا آ جاتا ہے۔ ایک درباری بولنے کی جرات کرتا ہے، ''جہاں پناہ! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟'' اجازت ملتی ہے۔ درباری عرض کرتا ہے، ''خون بہا بھی دیا جا سکتا ہے''۔ پورا دربار یک زباں ہو جاتا ہے، ''خون بہا، خون بہا''۔

جہانگیر کے مشیر مقتول کے ورثاء سے ملتے ہیں۔ وہ خوشی سے قصّاص کا مطالبہ چھوڑ کر خون بہا پر رَضامند ہو جاتے ہیں۔ جہانگیر قتل کا حکم واپس لیتا ہے اور خون بہا ادا کر کے ورثاء کو خوش کر دیتا ہے۔

پھر جہانگیر نور جہاں کے کمرے میں داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ''جان قربان! اگر تو مر جاتی تو میں تیرے بغیر کیسے زندہ رہتا؟'' نور جہاں نے برجستہ جواب دیا، ''قتل کا حکم تو تم نے دیا تھا، اب کہتے ہو، تیرے بغیر کیسے زندہ رہتا؟'' جہانگیر نے جواب دیا، ''**میں نے تمہیں جان دینے کا عہد کیا تھا، ایمان دینے کا نہیں**''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد دَس صدیاں گزر چکی تھیں، ایمان ابھی زندہ تھا۔ عدل کا یہ معیار مغلیہ دَورِ حکومت میں مدتِ دراز تک قائم رہا جسکے نتیجہ میں ہندوستان اس وقت دُنیا کا مضبوط ترین اور امیر ترین ملک تصور کیا جاتا تھا۔ اسی لئے اس وقت یورپ نے جو غربت میں ڈوبا ہوا تھا، اس طرف رُخ کیا۔ اورنگزیب کے بعد عدل قائم کرنے کی صلاحیت کم ہوتی گئی حتیٰ کہ ہندوستان پر غیروں نے قبضہ کر لیا۔

یہ تاریخ کے ٹھوس واقعات ہیں۔ اگر ہم تاریخ سے سبق لے کر اپنے اندر عدل کے معیار کو صحیح خطوط پر بلند نہیں کرتے تو ملک کی ترقی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس وقت پورے ملک میں ظالمانہ نظام برپا ہے۔ کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں؟

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ ''تین انسانوں کی دُعا مسترد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار جب افطار کرتا ہے، دوسرا عادل حکمران اور تیسرا مظلوم۔ مظلوم کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مجھے اپنے غلبہ کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد''۔

○.....○.....○

حدیث ۷۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِیْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَایَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَادِرْهَمٌ اِنْ کَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّاٰتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَیْهِ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۸۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جس کسی نے کسی کی عزت پر یا کسی اور طرح ظلم کیا ہو، وہ اس سے آج ہی معاف کرا لے، اس سے پہلے کہ وہ دِن آئے کہ نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم ہوں گے۔ اگر ظالم کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کی مقدار کے مطابق اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر ڈال دیے جائیں گے''۔

نوٹ: مرنے سے پہلے اس زمین پر اگر آپ نے کسی کا کوئی حق غصب کیا ہے اور پھر اللہ جل جلالہٗ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ اس کا حق غصب کرنے کی معافی مانگ لیں اور وہ خلوصِ دِل سے معاف کر دے تو اللہ جل جلالہٗ سے اُمید ہے کہ وہ اس ظلم کو نامہء اعمال سے ساکت فرما دے گا۔

لیکن ہماری اَنا آڑے آتی ہے۔ یہ متکبرانہ رویّہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جسکے دِل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

ہمارے حکمرانوں میں اَنا، تکبر، جھوٹ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ یہ کروڑوں انسانوں پر ظلم کرتے ہیں لیکن توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اسلئے جو آیا اپنے ''تختِ شاہی'' سے ذلیل ہو کر نکلا۔ آنے والا ایسا ہی اندھا ہوتا ہے جیسا جانے والا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

○.....○.....○

حدیث ۷۹: عَنْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَه' اَنَّه' کَانَتْ بَیْنَهُ وَبَیْنَ اُنَاسٍ خُصُوْمَة'' فَذُکِرَ لِعَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا فَقَالَتْ یَااَبَاسَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِیْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ۔ (تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث ۲۲۹۰)

ترجمہ: حضرت محمد بن ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابوسلمہ نے انکو خبر دی کہ انکے اور لوگوں کے درمیان ایک جھگڑا تھا اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسکا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا، ''اے ابوسلمہ! زمین کے جھگڑے کو چھوڑ دو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی ظلماً کسی کی ایک بالشت بھی زمین لے لے تو اسکو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا''۔

نوٹ: کسی ایک شخص کی ذاتی زمین یا پبلک کی زمین کو زبردستی اپنے قبضے میں کر لینا بہت بڑا گناہ ہے۔ تجاوزات اسی زمرہ میں آتی ہیں۔

افسوس کا پہلو ہے کہ بعض مذہبی مدارس اور مساجد بغیر اجازت نامہ کے پبلک کی زمین پر بنا لیے جاتے ہیں۔

قبضہ گروپ کے لوگ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں اور ان لوگوں کو اکثر اوقات حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے یعنی کہ حقوق کا محافظ خود عوام کے حقوق کو غصب کرنے میں ظالموں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ قیامت کے روز اسکا حشر بھی ظالموں کے ساتھ ہی ہوگا۔

ملک میں لاکھوں کیس ایسے ہیں جن میں جھوٹے مقدمات کی بنا پر اور جھوٹی شہادتوں کے زور پر جن میں پولیس کا بڑا عمل دَخل ہے، دوسرے کی زمین (زرعی، رہائشی، تجارتی وغیرہ) پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ حکمران کی لاعلمی یا سرپرستی میں ہوتا ہے۔ لاعلمی بذاتِ خود قابل گرفت جرم ہے۔ سرپرستی اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا خود مجرم کا جرم۔ آخرت میں ایک زمین کی جگہ سات زمینوں کے پٹے گلے میں ڈالیں ہوں گے۔ اندازہ ہے کہ یہ پٹے آگ کے ہوں گے کیونکہ جہنم میں ہر چیز بالآخر آگ ہوگی۔

حدیث ۸۰: عَنْ جَبَلَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنَّا بِالْمَدِیْنَةِ فِیْ بَعْضِ اَھْلِ الْعِرَاقِ فَاَصَابَتْنَا سَنَةٌ فَکَانَ ابْنُ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا یَرْزُقُنَا التَمْرَ فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا یَمُرُّ بِنَا فَیَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْاِقْرَانِ اِلَّا اَنْ یَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ مِنْ کُمْ اَخَاہُ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۹۲)

ترجمہ: حضرت جَبَلَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، ہم عراق کے ایک شہر میں تھے کہ ہم کو قحط سالی نے آ لیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم کو کھجوریں دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہمارے پاس سے گزرے تو فرمایا، ''بے شک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے اسکی اجازت حاصل کر لے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کے مطابق جب اجتماعی طور پر سب مل کر کھانا کھا رہے ہوں تو دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے اتنا ہی لینا چاہیے جتنا اسکا حق بنتا ہے۔ اجتماعی کھانے پر سب کا حق برابر ہوتا ہے۔ **اس حدیث شریف میں ہمیں مساوات کا سبق دیا گیا ہے۔**

اب آپ ذرا شادی کے موقع پر کھانے کی میز پر نظر دوڑائیں۔ ہر شخص اس کوشش میں ہوتا ہے کہ گویا سارا کھانا صرف اسی کیلئے ہے۔ یہاں سے ہی پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اندر مساوات کا شعور ہرگز نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اگر مساوات کا اصول اپنایا جائے تو امن کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

اپنے دفتروں کی حالت زار کو دیکھیں۔ وہاں بھی باری کا کوئی انتظام نہیں کرتا۔ جو رشوت سفارش کے زور پر کام کرا کر چلا جاتا ہے، وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح دفتر میں کبھی ادھر اور کبھی ادھر چکر لگا کر شام کو خالی ہاتھ گھر آ جاتا ہے۔

سڑک پر سب کا حق مساوی ہے لیکن ہماری ٹریفک میں ''مساوات'' کا اصول کہیں نظر نہیں آتا اور اسکے نتائج بھی بہت بُرے نکلتے ہیں۔ سالانہ ہزاروں اموات

ٹریفک کی غلطیوں کی وجہ سے ہو جاتی ہیں اور اربوں روپوں کی گاڑیوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔اسکی وجہ بھی یہ ہے کہ سڑک کے حقوق جو سب کیلئے مساوی ہیں، انکا ہم دھیان نہیں رَکھتے۔

ہمارے ہاں مساوات کے فقدان کی مرکزی وجہ یہ ہے کہ حکومت وقت مساوات کا شعور ہی نہیں رَکھتی اور نہ شہری کے حقوق کی ادائیگی کا بندوبست کرنے کا دھیان کرتی ہے۔

یہ تین مقامات صرف نشاندہی کیلئے بیان کر دیئے ہیں ورنہ ملک میں **بشمولِ مساجد** کہیں بھی **مساوات کا شعور** اور نہ اسکو قائم کرنے کا انتظام ہے۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مساوات قائم کرو، اختلافات نہ ہونے دو ورنہ دِلوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا''۔

دِلوں کا یہ انتشار بالآخر خونی انقلاب کی راہ ہموار کرتا ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۸۱ : عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَی اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۲۹۴)

ترجمہ : اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ ربّ العزت کو سب سے زیادہ جس انسان پر غصہ آتا ہے، وہ وہ شخص ہے جو بات بات پر جھگڑتا ہے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کو جھگڑا ناپسند ہے جبکہ اَمن اور عفو و درگزر کو پسند فرماتا ہے، ''**اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۴) ترجمہ ''جو آسودگی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے عفو و درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ ایسے اچھے کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

اس آیت شریفہ میں مال کے خرچ کرنے کو غصہ پر ضبط کرنے کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ غصہ کو ضبط کرنا اتنی ہی بڑی نیکی ہے جیسے مال خرچ کرنا۔

مشہور حدیث مبارکہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ القدر کی خبر دینے کیلئے باہر تشریف لائے تو دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خبر اُٹھالی گئی (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۴۶)

جھگڑا کرنے سے فساد کی بنیاد بنتی ہے جسکو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اپنے بھائی کو معاف کر دینے سے اَمن کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں منافقین میں بہت رائج تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بحث و تکرار کرتے رہتے تھے اور کسی نہ کسی طریقے سے اَمن کے ماحول کو خراب کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے متعلق فرمایا، '' **وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝**'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۱) ترجمہ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں''۔

ہماری سیاست کا رُخ بھی یہی ہے۔کوئی محبّ وطن نظر نہیں آتا۔معمولی معمولی باتوں کولڑائی جھگڑے کی بنیاد بنا کر ہر وقت ملک میں انتشار اور فساد برپا رکھتے ہیں۔ایسے حالات میں جب دِل میں بھی نفاق ہے، زبان پر بھی جھگڑا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد کہاں سے آئے گی؟ اس لئے ہم روز بروز اللہ تعالیٰ کے غضب میں پھنستے جارہے ہیں اور اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ اس طرح کی حکمرانی کی وجہ سے دُنیا میں ہماری کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔

○.....○.....○

حدیث ۸۲: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَی الطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا مَالَنَا بُدّ'' اِنَّمَا ھُوَ مَجَالِسُنَا نَتَحدَّثُ فِیْہِ قَالَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجَالِسَ فَاَعْطُوْا الطَّرِیْقَ حَقَّھَا قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلامِ وَاَمْرٌ'' بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھْیٌ'' عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۳۰۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''راستوں میں بیٹھنے سے بچو''۔ لوگوں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اسکے سوا ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہی ہماری مجلسیں ہیں کہ ہم کچھ باتیں کر لیتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر تم نے ضرور ہی بیٹھنا ہے تو راستہ کو اسکا حق دو''۔ لوگوں نے عرض کیا، ''راستہ کا حق کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''نظر نیچی رکھنا، راہگیر کو اذیت پہنچانے سے بچنا، سلام کا جواب دینا، اچھائی کا حکم کرنا اور بُرائی سے منع کرنا''۔

نوٹ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''راستہ کو اسکا حق دو''، یعنی راستہ چلنے والے کے حقوق ادا کرو مثلاً کسی کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں، کسی مسافر کو کسی طرح تکلیف نہ دیں، کوئی سلام کرے تو اسکا جواب دیں، کسی سے بات کریں تو اچھی بات کریں، نیکی کی نصیحت کریں یا بُرائی سے روکنے کی تنبیہہ کریں وغیرہ وغیرہ

آج کل آٹو موبائل کی وجہ سے راستے کے حقوق بہت وسیع ہو گئے ہیں مثلاً پیدل چلنے والوں کا خیال رکھنا، سائیکل سوار کا دھیان رکھنا، پیدل چلنے والوں کو سڑک پار کرنے کی سہولت دینا، گاڑی کو آہستہ چلانا اور بین الاقوامی قوانین (International Rules) کے تحت دوسرے کا حق نہ مارنا بلکہ اپنا حق دوسرے کو دینے کی کوشش کرنا، یہ چند ایک راستہ کے بنیادی حقوق ہیں جنکا ہمیں خیال رکھنا چاہیے۔

راستے کو تنگ کرنے یا اسکو روکنے سے بچنا چاہیے۔ عام دیکھا گیا ہے کہ گاڑی

راستے میں کھڑی کر کے ڈرائیور دوسرے سے بات کر رہا ہوتا ہے اور بعض لوگ راستے میں گاڑی کھڑی کر کے غائب ہو جاتے ہیں اور یہ تو ایک معمول بنا ہوا ہے کہ گاڑی کے پیچھے گاڑی کھڑی کر کے خود گھنٹوں غائب رہتے ہیں۔ یہ حد درجہ کی بداخلاقی کا مظاہرہ ہے۔ یاد رہے کہ عوامی سڑکیں سب کیلئے برابر ہیں۔ نہ پیدل چلنے والے کا حق کم ہے اور نہ رولز رائس پر سفر کرنے والے کا حق زیادہ ہے۔

آپکے خیال میں کیا ہمارے حکمرانوں کو راستے کے حقوق کا علم ہے؟ اگر علم ہوتا تو ملک کے اعلیٰ ترین منصبوں کے لوگ جب باہر نکلتے ہیں تو عوام الناس کیلئے راستے کیوں بند کر دیتے ہیں؟ جنہوں نے حقوق کی ادائیگی یقینی بنانی ہے، وہی سب سے زیادہ دوسروں کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔

کیا حکمرانوں کے اس رویّہ سے عدل قائم ہو سکتا ہے جو کہ ملکی ترقی کی بنیاد ہوتا ہے؟

○.....○.....○

حدیث ۸۳: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّه‘ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ فَاَمَّرَ عَلَیْهِمْ اَبَاعُبَیْدَةَ ابْنَ الْجَرَّاحِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَهُمْ ثَلٰثِمائَةٍ وَاَنَا فِیْهِمْ فَخَرَجْنَا حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِیْقِ فَنِیَ الزَّادُ فَاَمَرَ اَبُوْعُبَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِاَزْوَادِ ذٰلِکَ الْجَیْشِ فَجُمِعَ ذٰلِکَ کُلُّهُ فَکَانَ مِزْوَدَی تَمْرٍ وَکَانَ یُقَوِّتُنَا کُلَّ یَوْمٍ قَلِیْلًا قَلِیْلًا حَتّٰی فَنِیَ فَلَمْ تَکُنْ تُصِیْبُنَا اِلَّا تَمْرَةً تَمْرَةً فَقُلْتُ وَمَا تُغْنِیْ تَمْرَة‘‘ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِیْنَ فَنِیَتْ قَالَ ثُمَّ انْتَهَیْنَا اِلَی الْبَحْرِ فَاِذَا حُوْت‘‘ مِثْلَ الظَّرِبِ فَاَکَلَ مِنْهُ ذٰلِکَ الْجَیْشُ ثَمَانِیَ عَشْرَةَ لَیْلَةً ثُمَّ اَمَرَ اَبُوْعبیدة رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِضِلْعَیْنِ مِنْ اَضْلَاعِهٖ فَنُصِبَا ثُمَّ اَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا۔ (تفہیم البخاری، جلد سوم، حدیث ۲۳۲۰)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ’’جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساحل کی طرف ایک لشکر بھیجا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انکا امیر مقرر فرمایا اور وہ لشکری تین سو (۳۰۰) تھے۔ میں بھی ان میں تھا۔ ہم نکلے حتیٰ کہ اثناءِ سفر میں زادِ راہ ختم ہو گیا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم فرمایا کہ لشکر کا سارا توشہ ایک جگہ جمع کیا جائے۔ چنانچہ سارا توشہ جمع کیا گیا تو وہ سارا کھجور کے دو تھیلے ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم کو اس سے ہر دِن تھوڑا تھوڑا دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہو گیا۔ ہم کو صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی‘‘۔ حضرت وہب نے فرمایا، ’’ایک کھجور سے کیا ہوتا ہوگا؟‘‘ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ’’جب کھجوریں ختم ہو گئیں تو انکا ختم ہونا ہم پر شاق ہوا۔ انکے ختم ہونے سے ہم غمناک ہوئے‘‘۔ حضرت جابر رضی

اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''ہم سمندر کے پاس پہنچے تو ہم کو پہاڑی کی طرح ایک مچھلی نظر آئی، اسکو وہ لشکر اٹھارہ (۱۸) دِن کھاتا رہا پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی پسلیوں میں سے دو پسلیاں کھڑی کرنے کا حکم فرمایا۔ انکو کھڑا کیا گیا پھر ایک اونٹ کو گزارنے کا حکم فرمایا تو وہ انکے نیچے سے گزر گیا اور پسلیوں تک نہ پہنچ سکا''۔

نوٹ: قوم کی سربلندی صبر جمیل پر ہے، نہ کہ وسائل پر۔ ہمارا طریقہ اسکے بالکل برعکس ہے۔ ہم ہر وقت وسائل کی کمی کا رونا روتے رہتے ہیں جبکہ مثبت انداز یہ ہونا چاہیے کہ کام پوری **دیانت** اور **امانت** سے کریں۔ جو بھی وسائل ہیں، انکو پوری طرح بروئے کار لائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ آپکو یاد ہوگا کہ قرآن کریم میں حضرت طالوت نے اپنی فوج سے ان لوگوں کو نکال دیا تھا جنہوں نے **بے صبری کا مظاہرہ** کرتے ہوئے دریا کا پانی پی لیا تھا اور حضرت طالوت کے پاس ایک قلیل تعداد رہ گئی تھی جو ثابت قدم رہی۔ وسائل کی کمی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر کی بنا پر فتح عطا فرمائی۔ **فوج اور قوم کی کامیابی وسائل پر نہیں، ایمانی قوت پر ہوتی ہے۔** اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا'' **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝** ''(الانفال ۸، آیت ۶۵) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے (یعنی صبر کرنے والے) تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اسلئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے''۔

اس آیت شریفہ میں وسائل کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ کامیابی کی بنیاد ایمانی قوت (یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر صبر اور ثابت قدمی) پر رکھی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے وسائل کا بھی ذکر فرمایا ہے، ''**وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ**

سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ○ ''(الانفال۸، آیت۶۰)
ترجمہ ''اوران سے مقابلہ کیلئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے، سامانِ جنگ تیار رکھو بذریعہ قوت (اسلحہء جنگ) اور تیار بندھے ہوئے گھوڑوں سے جنکے ذریعے تم اپنا رُعب اللہ تعالیٰ اوراپنے دُشمنوں پر ڈالے رَکھ سکتے ہواوران لوگوں پر بھی جوتمہارے دُشمن ہیں اور تمہیں انکا علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ انکو جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ تعالیٰ کی راہ (دفاع) میں خرچ کروگے، اسکا اَجر تمہیں پورا پورا عطا فرمادے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے گا (یعنی تمہارا اَجر کم نہیں کیا جائے گا)''۔

ان دو آیات پر غور کرنے سے ایک آفاقی صداقت (Universal Truth) ہمارے سامنے آتی ہے کہ وسائل کا اختیار کرنا اپنی پوری قوت کے ساتھ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ایمان کا مضبوط رَکھنا **لیکن بھروسہ وسائل پر نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر رَکھا جائے گا** کیونکہ ہر اَمر کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ○ ''(ابراہیم۱۴، آیت۱۲)
ترجمہ ''اور بھروسہ رَکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رَکھنا چاہیے''۔

○.....○.....○

حدیث ۸۴: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ ابْنَ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَاَصَابَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ اَسْفَلِهَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَآءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَاِنْ يَتْرُكُوْهُمْ وَمَا اَرَادُوْ اَهْلَكُوْا جَمِيْعًا وَّاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۳۳۰)

ترجمہ : حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ ربّ العزت کی حدود پر قائم رہنے والے اور ان میں دوسرے موجود ہونے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہوں نے کشتی میں قرعہ اندازی کی تو ان میں سے بعض نے اوپر کا حصہ اور بعض نے نیچے والا حصہ پایا تو جو لوگ اسکے نچلے حصہ میں تھے، وہ جب پانی پینا چاہتے تو انکو بالائی حصہ والوں سے گزرنا پڑتا۔ انہوں نے کہا، 'اگر ہم اپنے نچلے حصہ میں ہی سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو آسانی رہے گی' تو اگر اوپر والے انکو چھوڑے رکھیں اور جو انکا ارادہ ہے، وہ کرنے دیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انکے ہاتھ پکڑ لیں تو وہ بھی نجات پائیں گے اور دوسرے بھی سب لوگ نجات حاصل کر لیں گے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں قوم کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی ایک حکمران اور دوسرے عوام الناس۔ حکمران کا فرض ہے کہ وہ عوام الناس کے غلط کاموں پر انکی اصلاح کا بندوبست کرے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے حکمران خود ہی صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ راہبر جب خود ہی بے راہ ہوگا تو دوسروں کو راہ کیسے دکھائے گا؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں یہ فرمایا، ''یَقْدُمُ قَوْمَہ' یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ط وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ○ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○''(ھود۱۱، آیت۹۸-۹۹) ترجمہ ''وہ قیامت کے دِن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور انکو دوزخ میں جا اُتارے گا اور جس مقام پر وہ اُتارے جائیں گے، وہ بُرا ہے۔ اور اس جہان میں بھی لعنت انکے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دِن بھی پیچھے لگی رہے گی۔ جو انعام انکو ملا، وہ بُرا ہے''۔ فرعون بحیثیت ایک حکمران کے بے راہ تھا۔ اس نے عوام کو بے راہ کیا، خود بھی جہنم میں گیا اور قوم کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فرعون جیسے حکمرانوں سے محفوظ فرمائے (آمین)

حکمرانوں کے علاوہ معاشرے میں ایک دوسرا طبقہ بھی ہوتا ہے یعنی علماء کرام کا جو کہ معاشرے کی سوچ کو صحیح سمت پر رَکھنے کے لیے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی کشتی کے اوپر والے درجے کے لوگ ہیں۔ ان کا بھی فرض ہے کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول پر معاشرے میں غلط باتوں کو روکتے رہیں اور اچھی باتوں کو رواج دیں لیکن افسوس ہے کہ آج کل کے علماء **علم**، **عمل** اور **راہنمائی** میں کمزور ثابت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوریوں کو دُور فرمائے اور قوم کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے انکا شعور بیدار فرمائے (آمین)۔

○.....○.....○

حدیث ۸۵: عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَجِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَعْلَاھَا ثَمَنًا وَّاَنْفَسُھَا عِنْدَ اَھْلِھَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّھَا صَدَقَۃٌ تَصَدَّقُ بِھَا عَلٰی نَفْسِکَ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۳۵۱)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ''کونسا عمل افضل ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اسکی راہ میں جہاد کرنا''۔ میں نے کہا، ''کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جسکی قیمت زیادہ ہو اور وہ اپنے مالک کے نزدیک عمدہ ہو''۔ میں نے کہا، ''اگر یہ نہ کرسکوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کسی کاریگر کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کیلئے کام کرو''۔ اُس نے کہا، ''اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ کیونکہ یہ بھی صدقہ ہے جو تو اپنی ذات پر کرتا ہے''۔

نوٹ: نیکی کے کام تو معروف ہیں لیکن لوگوں کو تکلیف نہ دینا خود ایک نیکی ہے۔ جہاں انسان دوسروں کو تکلیف دے سکتا ہے، اگر وہ اس ارادے سے باز رہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ''لوگوں کو اپنے شر سے بچانا صدقہ ہے'' تو یہ حقیقتاً ایک نیکی کا کام ہے مثلاً آپ راستے میں کھڑے ہو کر راستہ چلنے والے کو تکلیف دیتے ہیں، یہ شر ہے، بُری بات ہے۔ اگر آپ احتیاط کریں تو سڑک کے ایک طرف کھڑے ہو کر کسی سے بات کر سکتے ہیں اور نیّت یہ ہو کہ راستہ روکنا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بھی حقیقتاً بہت بڑی نیکی ہے۔ اسی طرح آپ دفتر

میں جاتے ہیں، حکومت کا اہلکار آپ کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے، یہ شر ہے۔ اگر آپ کا کام اُسی وقت کرنے کا ہے، وہ کر دے تو وہ نیکی کما رہا ہے۔ اگر ہمارے معاشرے کا بغور مطالعہ کریں تو ہم اکثر اوقات لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ لوگوں کی مدد کرو اور **ان کو اپنے شَر سے بچاؤ**، یہ تمہارے لیے صدقہ ہوگا۔

ہماری سیاست سراسر شَر ہے۔ اس میں جھوٹ بولنے، ایک دوسرے کی کردار کشی کرنے، عوام کے کام کو ٹالنے، عوام سے جھوٹ بولنے، عوام کو دانستہ طور پر تکالیف میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ اسکا ایک اَور پہلو ہے جو کسی مہذب ملک میں نہیں دیکھا گیا یہ کہ آپس میں ایسے لڑائی کرتے ہیں گویا کہ یہ سکول کے بچے ہیں۔ ان حالات میں پورا معاشرہ جو انکو دیکھ رہا ہے اور ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رَکھتا ہے، شَر سے بچنے کی تربیت کہاں سے حاصل کرے گا؟ آج کل تو یہ حال ہو چکا ہے کہ انکی پیروی میں ہر انسان اپنے آپکو شیطانی عمل سے محفوظ رَکھنے میں مشکلات کا سامنے کر رہا ہے۔ بڑی ستم ظریفی ہے کہ سیاست تو ہوتی ہی اِصلاح کیلئے ہے لیکن ہماری سیاست سوائے شیطانیت کے اَور کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے سیاستدانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ لوگوں کو اپنے شَر سے محفوظ رَکھیں (آمین)

○.....○.....○

حدیث۸۶: عَنْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَانِسَآءَ الْمُسْلِمَاتِ لَاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث۲۳۹۶)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی (پڑوسن) اپنی ہمسائی کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ بھیجے''۔

نوٹ: ہمسائے کے حقوق بہت ہیں۔ **ہدیہ بھیجنے سے اُلفت بڑھتی ہے**۔ اپنے ہمسایوں سے تعلقات اچھے رَکھنے چاہئیں اور انہیں ہدیہ بھیجتے رہنا چاہیے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہمیشہ ہمسائے کے حقوق کے بارے میں تاکید فرمائی یہاں تک کہ میں محسوس کرنے لگا کہ ممکن ہے کہ ہمسائے بھی وراثت میں حصہ دار بنا دیئے جائیں گے''۔ (مؤطّا امام محمد، باب ''ہمسائے کا حق'')

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اَمر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عورتیں بھی اپنے تعلقات کو اللہ تعالیٰ کی خاطر وسیع تر کریں۔ چونکہ وہ بسا اوقات گھروں میں ہی رہتی ہیں، اسلئے تعلقات بغیر ہدیہ کے کم ہی پروان چڑھتے ہیں۔ تو ہدیہ بھیجنے سے قدرتی طور پر ایک گھر کی عورتوں کے دوسرے گھر کی عورتوں سے خوشگوار تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کا اَثر سارے خاندان پر پڑتا ہے۔ مزید یہ کہ ہدیہ بھیجتے ہوئے اسکی قدر و قیمت ہی ملحوظ نہیں ہونی چاہیے، **اصل چیز خلوص اور محبت ہے**۔

○.....○.....○

حدیث ۸۷: عَنْ اَسْمَآءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَالِیْ مَال'' اِلَّا مَااَدْخَلَ عَلَیَّ الزُّبَیْرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَاَتَصَدَّقُ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ تَصَدَّقِیْ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعٰی عَلَیْکِ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۴۱۹)

ترجمہ : حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس کچھ مال نہیں سوا اسکے جو مجھ کو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تو کیا میں وہ صدقہ میں دے سکتی ہوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''صدقہ کرو اور مت روکو ورنہ اللہ رَبّ العزت تجھ سے روک لے گا''۔

نوٹ: یہ ایک مطلق سچائی (Universal Truth) ہے کہ اگر انسان دوسروں پر خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روک لیتا ہے تو اللہ جل جلالہٗ بھی اس سے مال کو روک لیتا ہے۔ جتنا زیادہ آپ خیرات کریں گے، اللہ جل جلالہٗ اتنا ہی زیادہ آپ کو نوازے گا لیکن یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **ایک تہائی** سے **زیادہ** مال خیرات کرنے کی ترغیب نہیں فرمائی۔

جیسا رویہ آپکا بندگانِ خدا کے ساتھ ہوگا ویسا ہی رویہ اللہ تعالیٰ کا آپکے ساتھ ہوگا مثلاً اگر آپ دوسرے کی عزت کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی آپکو عزت عطا فرمائے گا۔ اگر آپ دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی آپ پر رحم فرمائے گا۔

مال کو جمع کرتے رہنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی ناپسند فرمایا ہے۔ ''وَیْلٌ'' لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ نِ ○ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ ○ کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ ○ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَۃُ ○ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ○ اِنَّھَا عَلَیْھِمْ مُّؤْصَدَۃ '' ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ○ ''(الہمزہ ۱۰۴، مکمل سورۃ) ترجمہ ''کمبختی ہے پس پشت عیب جوئی کرنے والے کیلئے اور طعنہ دینے والے کیلئے۔ جو مال جمع کرتا رہتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے۔ وہ

یہ خیال کرتا ہے کہ اسکا مال اسکے پاس سدا رہے گا۔ ہاں ہاں وہ ضرور توڑنے پھوڑنے والی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور آپ کیا سمجھے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ ہے کیا؟ وہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) سلگائی ہوئی۔ جو دِلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ آگ ان پر مسلط کر دی جائے گی۔ بڑے بڑے لمبے ستونوں میں''۔ اس سورۂ مبارکہ میں مال جمع کرنے کی سخت حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

مال کا خرچ کرنا آپکے وسائل پر منحصر ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''نہ ہی تو اپنا ہاتھ کھلا چھوڑ دو اور نہ ہی گریبان کے ساتھ باندھ لو'' (دیکھیں سورۂ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۹) ورنہ تم خود محتاج بن کر بیٹھ جاؤ گے اور دوسروں سے مانگنے کیلئے مجبور ہو جاؤ گے جو کہ از خود ایک بُرائی ہے۔

مال خرچ کرنے کیلئے یہ لازمی ہے کہ حلال ذرائع سے کمایا ہوا ہو کیونکہ حرام مال خواہ وہ کتنی ہی بڑی قیمت کا ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں کیا جاتا۔

○.....○.....○

حدیث۸۸: عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنَ الْاَزْدِ یُقَالُ لَہُ ابْنُ الْاُبْتِیَّۃِ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذَا اُھْدِیَ لِیْ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَھَلَّا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْہِ اَوْ بَیْتِ اُمِّہٖ فَیَنْظُرَ اَیُھْدٰی لَہٗ اَمْ لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَأْخُذُ اَحَدٌ مِنْہُ شَیْئًا اِلَّا جَآءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی رَقَبَتِہٖ اِنْ کَانَ بَعِیْرًا لَّہٗ رُغَآءٌ اَوْ بَقَرَۃً لَھَا خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی رَأَیْنَا عُفْرَۃَ اِبْطَیْہِ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ثَلٰثًا ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۴۲۵)

ترجمہ : حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اَزد سے ایک شخص کو صدقہ وصول کرنے پر مقرر فرمایا، اسکو ابن اُبتیہ کہا جاتا تھا۔ جب وہ آیا تو اس نے کہا، ''یہ آپ لوگوں (یعنی بیت المال) کا مال ہے جبکہ یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ رہا پھر دیکھا جائے کہ اسکو ہدیہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جسکے دستِ قدرت میں میری جان ہے! جو شخص اس مالِ صدقہ سے کوئی چیز لے گا، وہ قیامت میں اسکو اپنی گردن پر اُٹھا کر آئے گا۔ اگر وہ اونٹ ہو تو اسکی آواز ہوگی، اگر گائے ہو تو اسکی آواز ہوگی، اگر بکری ہو تو وہ بول رہی ہو گی''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے حتیٰ کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں کی سپیدی دیکھ لی (اور دُعا فرمائی) ''اے اللہ جل شانہٗ! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، اے اللہ جل شانہٗ! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، اے اللہ جل شانہٗ! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا''۔

نوٹ: حکومت کے کسی اہلکار کو کوئی گفٹ (تحفہ) دینا خواہ وہ کسی صورت میں ہو، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں رشوت شمار کی جائے گی۔

عوامی خزانہ سے جو حکومتی اہلکار خواہ وہ کسی درجے کا ہو، اپنے لیے ماورائے قانون بے شمار سہولیات لیتا ہے، وہ خیانت میں شمار ہوتی ہیں۔ آخرت میں یہ سب اس کے لیے ندامت کا باعث بنیں گی اور اس دُنیا میں بھی بالآخر ایسا شخص مرنے سے پہلے ذلّت اُٹھاتا ہے۔

ہمارے ہاں اقتدارِ بالا کے لوگ ایسی سہولیات کو اپنا قانونی حق سمجھتے ہیں۔ قانون ہرگز انکو ایسے اقدامات کی اجازت نہیں دیتا۔ انکا کام تو یہ تھا کہ اہلکاروں کو ایسے اقدامات سے روکیں لیکن جب وہ خود ہی ان اقدامات پر ڈھٹائی سے عمل پیرا ہیں تو نچلے طبقے کے لوگ کیسے سیدھے راستے پر آسکتے ہیں؟

جب محافظ خود ہی ڈاکو بن جائے تو ڈاکوؤں سے عوام کی حفاظت کون کرے گا؟

○.....○.....○

حدیث۸۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّه' اَخَذَ سِنًّا فَجآءَ صَاحِبُه یَتَقَاضَاه' فَقَالُوْا لَـه' فَقَالَ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ثُمَّ قَضَاه' اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ وَقَالَ اَفْضَلُکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَآءً۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۴۳۵)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اونٹ قرض لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسکا مالک آیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرض کی واپسی کا تقاضا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''صاحبِ حق کو بات کرنے کا حق ہے''۔ پھر اسکو اسکے اونٹ سے بہتر اونٹ دیا اور فرمایا، ''تم میں افضل وہ ہے جو اچھی طرح (قرض) ادا کرے''۔

نوٹ: قرض کو **وقت** پر اور پورا پورا ادا کرنا **ایک احسن فعل** ہے لیکن وقت سے پہلے اور شکریے کے ساتھ ادا کرنا اَحسن تر ہے۔ قرض کو ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لینا اور پورا ادا نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ بات ہے۔

ہمارے ہاں یہ ایک قسم کا رواج پڑ گیا ہے کہ نہ تو ہم قرض ادا کرتے ہیں اور نہ ہی قرض دینے والے کے شکر گزار ہوتے ہیں بلکہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ٹال مٹول سے کام چلتا رہے حتیٰ کہ ایک وقت آ جاتا ہے کہ دونوں میں دُشمنی بڑھ جاتی ہے جو کہ اَمن عامہ کو بالآخر تباہ کرتی ہے۔ قرض کا واپس نہ کرنا پھر قرض کی بنا پر لڑائی جھگڑا کرنا پھر دونوں کا ایک دوسرے سے ساری عمر ناراض رہنا، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہیں۔ یہ تمام فعل شیطانی عمل ہیں اور جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

یہ حرکت ''فساد فی الارض'' کے زمرہ میں آتی ہے۔ فساد فی الارض اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہِ کبیرہ ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۹۰: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عَنِ الْکَبَآئِرِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۴۷۷)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ ربّ العزت کا شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا''۔

نوٹ: آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آج کل ہم میں یہ چاروں بُرائیاں انتہا پر ہیں۔

شرک میں تو ہم ایسے ملوث ہیں کہ توحید تقریباً ختم ہے۔ مزاروں پر جو ہوتا ہے، کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ ہمارا بھروسہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر نہیں بلکہ وسائل پر ہوتا ہے۔ وسائل پر بھروسہ رکھنا شرک ہے۔ توکّل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر زیب دیتا ہے۔ پاکستان کا ناقابلِ تسخیر ہونا ایٹم بم (۱) پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ○'' (التوبۃ ۹، آیت ۲۵) ترجمہ ''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت فرمائی ہے اور حنین کے دِن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرتِ تعداد پر بھروسہ ہو گیا تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے''۔ ایٹم بم ایک بہترین جنگی ہتھیار ہے لیکن بھروسہ ایٹم بم پر نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔

آج کل کا نوجوان والدین کی عزت واحترام کے شعور سے محروم ہے۔ والدین کی نصیحت پر توجہ دینے کے بجائے اپنے غلط دوستوں کو زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) جب ایٹم بم کا دھماکہ کیا گیا تو اس وقت کے وزیراعظم نے کہا کہ ''پاکستان اب ناقابلِ تسخیر ہو گیا ہے''۔

شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے اور اسکے فوراً بعد ہی فرمایا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ط اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○''(لقمٰن۳۱، آیت۱۳-۱۴) ترجمہ''(ذرا غور کریں) کہ جب (حضرت) لقمان (علیہ الصلوٰۃ السلام) نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ اے بیٹا! اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) کہ ہم نے انسان کو تاکید کی کہ اپنے ماں باپ سے حسنِ سلوک سے پیش آئے کیونکہ اس کی ماں نے مشقت پر مشقت اُٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس اس کو دودھ پلایا تاکہ تو میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کیا کرے۔ آخر کار آنا تم نے میرے ہی پاس ہے''۔

ذرا ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں کہ ہم اپنی تخلیق اور اپنے وجود کی نشو ونما پر، اللہ تعالیٰ کا جس نے تخلیق فرمایا اور والدین کا جو کہ تخلیق کا باعث بنے، کتنا شکر ادا کرتے ہیں؟ مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر گھرانہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ بچوں کی اکثریت نہ باپ کا کہا مانتی ہے، نہ ماں کا اور نہ ہی اُستاد کا۔ اپنی مرضی سے وہ ایک ٹیڑھی راہ اختیار کر لیتے ہیں اور جب انکو درست کرنے کیلئے ذرا سختی کی جاتی ہے تو ایسا احتجاج کرتے ہیں کہ گویا انکو قتل کی ہی دھمکی دے دی گئی ہے۔ خاندان میں ایسے رویّے سے جہاں وقت وقت پر جھگڑا، انتشار ہو اور اخلاق کا فقدان موجود ہو تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے جن کی ڈیوٹی اچھے لوگوں کو مدد دینے کی ہوتی ہے، وہ کیسے مدد کریں گے؟

اب ہم نے سوچنا ہے کہ اس مسئلے کی جڑ کہاں ہے اور اسکا حل کیا ہے؟

بنیادی طور پر یہ مسئلہ ٹیلی ویژن، سنیما اور ناقص نظامِ تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس مسئلے کو تقویت دینے والی وہ قوتیں ہیں جن کا فرض اس مسئلے کو دراصل حل کرنا تھا۔ امیروں وزیروں کے لڑکے اور لڑکیاں جو جرائم کر کے پولیس کی پکڑ سے اور عدالت کی گرفت سے بغیر سزا کے چھوٹ جاتے ہیں، وہ سارے معاشرے کو ایسے ہی گندہ کر دیتے ہیں جیسے ایک گندی مچھلی پورے تالاب کو گندا کر دیتی ہے۔

اسکا حل کیا ہونا چاہیے؟ مروّجہ مدارس اسکا حل نہیں ہے اور فی زمانہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظامِ تعلیم ہمارے معاشرے اور مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ تعلیم کیلئے اوّلین ترجیح صراطِ مستقیم کی تعلیم ہونی چاہیے جو کہ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ آپکو کہیں سے نہیں ملے گی۔ ان دو کتابوں کی جگہ ہمارے نظامِ تعلیم میں نہیں ہے۔ جدید اور قدیم فلاسفی (Philosophers) اور مصلح (Reformers) بے شک بہت سی حکمت کی باتیں لکھتے ہیں لیکن قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حکمت کا جو راستہ بتاتے ہیں، اسکے مقابلے میں وہ ایک ذرّہ کے برابر بھی نہیں ہیں۔

انگریزی اور اُردو ناول قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ اہمیت رَکھتے ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہاتھ میں پکڑنا ایسے لگتا ہے گویا کہ ہاتھ میں انگارہ ہے۔

مدارس کی تعلیم کے نظام میں بہت بڑی خامی یہ ہے کہ عربی زبان سکھانے کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، اسلئے بچوں کی اکثریت ناظرہ قرآن حکیم کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کر پاتی۔ قرآن حکیم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دَورہ بالکل سطحی ہوتا ہے۔ نظامِ امتحان نہ ہونے کی وجہ سے غور وفکر کی عادت نہیں پڑتی۔ نتیجتاً قرآن حکیم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھنے کے باوجود انکے اخلاق میں اعتدال نہیں آتا۔

جب تک عربی زبان کی تعلیم ہر مدرسے، سکول، کالج اور یونیورسٹی میں اعلیٰ معیار کے ساتھ رائج نہ کی جائے، یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہی طریقہ موجودہ نسل کی گرتی ہوئی اخلاقیات کو درست کرنے کا ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ قیامت تک کوئی دوسرا قرآن حکیم اور کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

ہمارے معاشرے میں قتل کی وجوہات کئی ہیں لیکن دو وجوہات انتہائی افسوسناک ہیں، ایک سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کے افراد کو اور دوسرے علماء کے فرقے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں ذرا عار نہیں سمجھتے۔

جھوٹی گواہی کے متعلق ہر ایک کو تجربہ ہے کہ ہماری عدالتوں میں گواہوں کی کثیر تعداد پولیس کے دباؤ یا پیسے کے لالچ میں جھوٹی گواہی دیتی ہے۔ عدل وانصاف سچی

گواہی کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا۔ ہر قوم کی بقا اور ترقی عدل سے مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''.....وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج.....'' (الانعام ۶، آیت ۱۵۲) ترجمہ ''اور جب بات کرو (یعنی گواہی دو) تو عدل قائم کرو اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو (جسکے خلاف تم گواہی دے رہے ہو)''۔

○.....○.....○

حدیث ۹۱: عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَثْنٰی رَجُل'' عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا اَخَاہُ لَامَحَالَۃَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ وَلَا اُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا اَحْسِبُہٗ کَذَا وَکَذَا اِنْ کَانَ یَعْلَمُ ذٰلِکَ مِنْہُ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۴۸۶)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد سے روایت فرمائی کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی شخص کی تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار فرمایا، ''تو نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی ہے''۔ پھر فرمایا، ''تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کی ضرور مدح کرنا چاہے تو یہ کہے، میں فلاں شخص کو ایسا خیال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کو بے عیب خیال نہیں کرتا۔ میں اسکو ایسا ایسا گمان کرتا ہوں، اگر وہ اسکے متعلق کچھ جانتا ہو''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاوجہ تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر تعریف کرنی ہی ہو تو صحیح حقائق پر کرنی چاہیے اور مختصر الفاظ میں۔ اگر تعریف ضرورت سے زیادہ کی جائے جو کہ حقائق پر مبنی نہ ہو تو وہ خوشامد میں شامل ہو جائے گی۔

بلاوجہ تعریف کرنا اور تعریف میں مبالغہ آمیزی کرنا دوسرے انسان کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسکی نظر اپنی کمزوریوں پر سے ہٹ جاتی ہے اور وہ اپنے آپکو ایک اہم شخصیت سمجھنے لگتا ہے پھر شیطان اسکو تکبر کی طرف لے جاتا ہے جس سے اسکی ساری نیکیاں جو وہ لاشعوری طور پر ریا سے کر رہا ہوتا ہے، برباد ہو جاتی ہیں۔

کم گوئی ایک بہترین انسانی صفت ہے۔ اس سے انسان بے جا تعریف بھی کم کرے گا اور غیبت بھی کم کرے گا۔ کم گوئی کی ہمیں عادت ڈالنی چاہیے۔

ے ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش (علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

حدیث ۹۲: عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ لِیَقْتَطِعَ بِھَا مَالًا لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۴۹۵)

ترجمہ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے جھوٹی قسم کھائی تا کہ اسکے ذریعے مال کا مستحق ہو جائے، وہ اللہ جل شانہٗ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا''۔

نوٹ: دوسرے کا مال ناحق کھا جانا ویسے بھی گناہِ کبیرہ ہے لیکن جھوٹی قسم کھا کر اپنا حق جتانا انتہائی بُری بات ہے اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس سے اور زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ ہماری عدالتیں جھوٹی قسموں سے بھری پڑی ہیں۔

جھوٹی قسم سے عدل پر فیصلہ انتہائی مشکل ہو جاتا ہے اور ملک کی ترقی چونکہ عدل سے مشروط ہے، رُک جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ملک کئی آفتوں میں پھنس جاتا ہے۔

اس رواج کو توڑنے کیلئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری پولیس کے نظام کو انتھک محنت سے درست کیا جائے لیکن افسوس یہ ہے کہ اسکو کون سی حکومت درست راستے پر لائے گی؟ ابھی تک تو کوئی ایسی آئی نہیں جسکو عدل کا ذرا برابر بھی خیال ہو اور پولیس کی تجدید نو کا دھیان ہو۔

عوام الناس کو بھی جھوٹی قسم اور جھوٹی شہادت کی قباحتوں سے آگاہ کرنا حکومت، علماء اور تعلیمی اداروں کا فرض ہے۔

اگر حکومت، علمائے کرام اور تعلیمی ادارے خلوص سے اپنا فرض ادا کریں تو ہماری اکثریت جھوٹ بولنا ترک کر سکتی ہے۔

عوام پر سب سے زیادہ اَثر حکومت کے رویّہ کا ہوتا ہے۔ سیاسی یا غیر سیاسی حکومت اگر حق پر قائم ہو اور حق کے ساتھ حکمرانی کی جائے تو عوام کی اکثریت اسی طریقہ کی طرف مائل ہوتی جائے گی۔ اس وقت حالات بالکل برعکس ہیں۔

علماء کہتے ہیں لیکن کرتے نہیں۔

نظام تعلیم میں سلیبس اور استاد کا چناؤ اور استاد کی ٹریننگ غلط ہاتھوں میں دی ہوئی ہے۔ استاد کے چناؤ کیلئے مقابلے کے امتحان کی ضرورت ہے اور ملازمت کے ابتدائی دِنوں میں اور پھر وقفے وقفے کے بعد استاد کی پروفیشنل اور اخلاقیات کی ٹریننگ ملازمت کی شرائط کا حصہ ہونا چاہیے۔

○.....○.....○

حدیث ۹۳: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِیْ النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّهْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَیْهِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۱۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر لوگ **اذان** اور **صفِ اوّل** میں شامل ہونے کا ثواب جانتے پھر قرعہ اندازی کے سوا کوئی راہ نہ پاتے تو وہ قرعہ اندازی کرتے اور اگر وہ جانتے کہ نماز میں جلدی جانے کا کیا ثواب ہے تو وہ قرعہ اندازی کر کے اسکی طرف سبقت کرتے اور اگر وہ جانتے کہ **عشاء** اور **صبح کی نماز** باجماعت میں کیا ثواب ہے تو وہ ضرور آتے اگرچہ انکو گھٹنوں کے بل آنا پڑتا''۔

نوٹ: فرمایا اذان دینے کا ثواب اتنا عظیم ہے کہ اگر لوگوں کو اسکا علم ہو جائے تو اذان دینے کیلئے لڑائی جھگڑا کریں۔ **اذان دینا سب کا مساوی حق** ہے، اس میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ عالم کو عام نمازی پر، باریش کو بلا ریش پر، شلوار قمیص کو پینٹ کوٹ پر اور متقی کو غیر متقی پر کوئی فضیلت نہیں کیونکہ کسی کے تقویٰ کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی زندگی میں تھا۔ آفیسر کو ماتحت پر، امام کو مقتدی پر اور مسجد کی انتظامیہ کو عام نمازیوں پر کوئی فضیلت نہیں۔ اذان تمام مسلمانوں کا مساوی حق ہے۔ اگر ہر کوئی اذان کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے اور آپس میں لڑائی جھگڑے کا اندیشہ ہے تو مساوی حق کو برقرار رکھنے کیلئے قرعہ اندازی کرنی ہوگی اور لوگ اپنی باری پر اذان دیں گے تاکہ عدل کو قائم کیا جا سکے اور کسی کا حق غصب ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے۔

یہی صورتِ عدل (قرعہ اندازی) نماز میں جلدی آنے اور صفِ اوّل میں شامل ہونے کیلئے اختیار کی جائے گی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس نے فجر اور عشاء جماعت کے ساتھ پڑھی،

اس نے گویا ساری رات عبادت میں گزاردی یعنی اسکو ساری رات کی عبادت کا ثواب ملا۔ ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جس نے نمازِ عشاء جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے نصف شب عبادت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزید یہ فرمایا کہ نمازِ فجر اور عشاء با جماعت منافقین پر بھاری ہے۔ (مشکوٰۃ، باب ''نماز کے فضائل'')

○.....○.....○

حدیث ۹۴: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ اَھْلَ قُبَآءٍ اقْتَتَلُوْا حَتّٰی تَرَامُوْا بِالْحِجَارَۃِ فَاُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ بِذٰلِکَ فَقَالَ اذْھَبُوْا بِنَا نُصْلِحُ بَیْنَھُمْ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۱۴)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اہل قبا کے درمیان جھگڑا ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھر پھینکے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہمارے ساتھ چلو، انکے درمیان صلح کرائیں''۔

نوٹ: اللہ جل شانہٗ فساد کو ناپسند اور اَمن کو پسند فرماتا ہے۔ ''**وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○**'' (البقرہ ۲، آیت ۲۰۵) ترجمہ ''اور اللہ جل شانہٗ فساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتا''۔ ایک دوسری آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا، ''**وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ج**.....'' (الحجرات ۴۹، آیت ۹) ترجمہ ''اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑائی کرنے لگیں تو انکے درمیان صلح کرادو.....''۔

صلح کرانے کی غرض سے اگر ثالث غلط بیانی بھی کر دے اور اس سے دو پارٹیوں کے درمیان صلح ہو جائے تو اس غلط بیانی کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک جھوٹ نہیں سمجھا جائے گا۔ ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے جھوٹ بولے، وہ بھلائی کی بات کر رہا ہے'' (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۱۳)۔

ترمذی شریف (۱) میں ہے کہ تین (۳) امور میں جھوٹ بولنا جائز ہے، ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے خلافِ واقعہ بات کرنے کی اجازت ہے۔

(۱) ترمذی شریف کی حدیث مبارکہ میں دو (۲) مزید مواقع جہاں خلافِ واقعہ بات کرنے کی اجازت ہے وہ یہ ہیں، (۱) بیوی کے ساتھ اگر ایک ایسا سچ بول دیا جائے جس سے تعلقات اتنے خراب ہونے کا اندیشہ ہو کہ طویل لڑائی جھگڑے شروع ہو جائیں اور طلاق تک (اگلے صفحے پر)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک صلح وہ ہے جو عدل پر صلح ہو گی۔ اگر خلافِ واقعہ بات کر کے عدل کو قائم کر سکتے ہیں تو جھوٹ معاف ہے۔ صرف جھوٹ بول کر جھگڑے کو رفع دفع کر دینا جبکہ ایک پر ظلم ہو رہا ہے، وہ جھوٹ قابل معافی نہیں ہے۔

○.....○.....○

نوبت پہنچ جائے تو وہاں بھی عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ خلافِ واقعہ بات کی جا سکتی ہے، (دانشمندی سے) (۲) جنگی چال میں دُشمن سے ہر قسم کا جھوٹ اختیار کرنے کی اجازت ہے تا کہ اسکو دھوکا دے کر شکست دی جا سکے۔

حدیث۹۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ کُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ" کُلُّ یَوْمٍ تَطْلَعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ" ۔
(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۲۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ہر دِن جس میں سورج طلوع ہو، لوگوں کے تمام جوڑوں پر صدقہ ہے اور لوگوں کے درمیان انصاف (عدل قائم) کرنا صدقہ ہے"۔

نوٹ: ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہیں۔ جیسے ہی صبح ہوتی ہے، ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ انسان روزانہ دِن رات اپنے ہر جوڑ کو یا تو نیکی میں استعمال کرے یا اپنے شر سے لوگوں کو بچانے میں استعمال کرے۔ اپنے شَر سے لوگوں کو محفوظ رَکھنا بھی نیکی ہے۔

فرمایا گیا کہ لوگوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے۔ لڑائی جھگڑا تو ہر وقت گلی کوچوں میں چھوٹا بڑا ہوتا رہتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت گھروں میں بھی رہتی ہے۔ ان معمولی جھگڑوں کو ہم عام طور پر خاطر میں نہیں لاتے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے بڑے بڑے جھگڑے، قتل اور مقدمے وجود میں آ جاتے ہیں۔ اگر ہم شروع میں ہی صلح کی کوشش کریں تا کہ اَمن قائم ہو جائے اور دونوں طرف سے منفی جذبات ختم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلح کرانے والے کو اسکا بڑا اَجر ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَمن کو پسند فرماتے ہیں۔

صلح کرانے میں عدل کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ غیر عادلانہ صلح صدقہ نہیں ہے بلکہ مزید جھگڑوں اور فساد کا باعث بنتی ہے۔

○.....○.....○

حدیث۹۶: عَنْ جَرِیْرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث۲۵۳۲)

ترجمہ : حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے بھلائی کرنے پر کی''۔

نوٹ: مسلم بھائی کے ساتھ اچھے طریقہ سے پیش آنا، اسکے لیے اچھا سوچنا اور اچھا کرنا اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ عہد لیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک دِن ہم مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی آ رہا ہے جو جنّتی ہے۔ ہم نے بڑے اشتیاق سے انتظار کیا کہ وہ کون خوش قسمت انسان ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک عام شخص آیا اور مجلس میں بیٹھ گیا۔

دوسرے دِن بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی فرمایا۔ ہم نے پھر انتظار کیا کہ دیکھیں، آج کون خوش نصیب آ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہی شخص ہے جو کل آیا تھا اور آ کر اسی طرح مجلس میں بیٹھ گیا۔ تیسرے دِن بھی ایسا ہی ہوا۔

جب ہم وہاں سے چلنے لگے اور مسجد سے باہر نکل گئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ میں آپکا تین دِن مہمان بننا چاہتا ہوں۔ میری مہمان داری کو قبول کر کے وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ میں نے اس کے ساتھ تین دِن رات بسر کیے یہ دیکھنے کیلئے کہ وہ کیا کیا عمل کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ اسکے متعلق جنت کی بشارت دی۔ تیسرے دِن کے اختتام پر میں نے اس سے بات کی کہ ارے بھائی میں نے آپکے ساتھ رہنے کی اجازت اس لئے مانگی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن آپ کے متعلق فرماتے رہے کہ آپ جنتی ہیں تو میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کیا کیا عمل کرتے ہیں تا کہ مجھے بھی رہنمائی ملے لیکن میں

نے دیکھا کہ آپ تو کوئی زیادہ عمل نہیں کرتے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ میں کون سی ایسی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو جنت کی نوید سنائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کہنا ہے کہ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد مجھے کہا کہ آپ نے میرا عمل وغیرہ تو دیکھ ہی لیا ہے لیکن ایک بات میرے دِل میں یہ ہوتی ہے جس کو آپ نہیں جانتے کہ میں کبھی کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی اور رنجش نہیں رکھتا یعنی میں ہر ایک کو اپنے سے بہتر انسان سمجھتا ہوں اور لوگوں کو معاف کر دیتا ہوں۔

○.....○.....○

حدیث ۹۷: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۴۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ رَبّ العزت کے ننانوے (۹۹) نام ہیں یعنی سو سے ایک کم ہے۔ جو انکو یاد کرے، جنت میں داخل ہوگا''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ص'' (الاعراف ۷، آیت ۱۸۰) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے اچھے اچھے (مخصوص) نام ہیں اور انہیں سے اُسے پکارو''۔ ''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ج'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۱۱۰) ترجمہ ''آپ کہیے اللہ تعالیٰ (کہہ کر) پکارو یا رحمٰن (کہہ کر) پکارو، جس نام سے بھی پکارو، اسکے سب نام ہی اچھے ہیں''۔

○.....○.....○

حدیث ۹۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُل" لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْح" حَرِیْص" تَامُلُ الْغِنٰی وَتَخْشَی الْفَقْرَ وَلَا تُمْهِلَ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمُ قُلْتَ لِفُلَانٍ کَذَا وَلِفُلَانٍ کَذَا وَقَدْ کَانَ لِفَلَانٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کونسا صدقہ افضل ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم صدقہ کرو جبکہ تم تندرست ہو اور مال میں حرص رکھتے ہو اور مالداری کے اُمیدوار ہو اور غریب ہونے سے ڈرتے ہو۔ ان حالات میں صدقہ کرنا افضل ہے اور دیر نہ کرو حتیٰ کہ جب روح حلق تک پہنچے تو کہے، فلاں کیلئے اتنا مال ہے اور فلاں کیلئے اتنا مال ہے حالانکہ مال فلاں کیلئے ہو چکا ہے''۔

نوٹ: موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے جو انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، وہ افضل صدقہ ہے۔ گو مصیبت کے وقت صدقہ ضرور کرنا چاہیے کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے لیکن افضل تر صدقہ وہ ہوگا جب انسان تندرست ہوتا ہے۔

ثانیاً صدقے کا افضل مقام وہ ہے جبکہ آپ صدقہ کرنے کی توفیق تو رکھتے ہیں لیکن دِل میں صدقہ کرنے سے غریب ہونے کا بھی ڈر ہے۔ اس وقت کا صدقہ بھی افضل ہے۔ یاد رکھیے قرآن حکیم کہتا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال بڑھتا ہے۔ ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْر" کَرِیْم"○'' (الحدید ۵۷، آیت ۱۱) ترجمہ ''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن (بہترین صدقہ) دے اور پھر اللہ تعالیٰ اسکو بڑھاتا چلا جائے اور اسکے لیے بہترین اَجر کا سبب بنے''۔

منصفانہ مالی تقسیم صدقہ ہے اور صدقہ کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے جیسا کہ اوپر والی آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یاد رَہے کہ صدقہ وہی قبول ہوتا ہے جو حلال مال سے دیا جائے۔ حرام مال جس

میں سود بھی شامل ہے، سے اللہ تعالیٰ صدقہ قبول نہیں فرماتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط .....'' (البقرۃ ۲، آیت ۲۷۶) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے.....''۔

صدقات کا بڑھانا دونوں جہانوں سے متعلق ہے۔ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ صدقے کی برکت سے مال میں ترقی دیتا ہے اور بہت سی آفتوں سے محفوظ رَکھتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ صدقے کو بڑھا کر ہمیں جہنم سے محفوظ رَکھے گا اور صدقہ دیتے وقت خلوصِ نیّت کے درجہ کے مطابق ایک سے لے کر سو گنا تک ہم اَجر کی اُمید رَکھتے ہیں۔ اسکے برعکس سود اس دُنیا میں بھی کئی مصیبتوں کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آخرت میں بھی سود لینے والے کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صدقہ کے متعلق فرماتا ہے، ''مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○''
(البقرہ ۲، آیت ۲۶۱) ترجمہ ''جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، انکے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر بال کے اندر سو سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، زیادہ فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے''۔

○.....○.....○

حدیث ۹۹: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تُوَفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُوَ غَائِبٌ عَنْھَا فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّ اُمِّیَ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْھَا اَیَنْفَعُھَا شَیْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَۃٌ عَلَیْھَا ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۵۶۹)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں جبکہ وہ غائب تھے۔انہوں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری والدہ فوت ہوگئی ہے اور میں موجود نہیں تھا۔ اگر میں کوئی شے اسکی طرف سے صدقہ کروں تو کیا وہ اسکو نفع دے گی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہاں (ضرور نفع دے گی)''۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ اس کیلئے صدقہ ہے''۔

نوٹ: دین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنے مال کو بے جا اُڑانے میں اور دکھاوے کیلئے خرچ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں حالانکہ زائد مال کا بہترین تصرف اپنے مرحومین کیلئے کوئی صدقہ جاریہ کا کام کر دینا ہے۔

صدقہ جاریہ مثلاً مسجد کا بنا دینا یا مدرسہ، سکول، کالج، ہسپتال، ڈسپنسری یا پانی کی سبیل یہ چند صرف موقع کے لحاظ سے نام لے دیئے ہیں۔ دراَصل جو اچھا کام بھی علاقہ کے لوگوں کی ضرورت کو مدّنظر رکھ کر کیا جائے گا اور وہ مدت تک جاری رہے گا تو وہ صدقہ جاریہ ہی ہوگا اور جب تک لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے، ثواب ملتا رہے گا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الشُّهَدَآءُ خَمْسَةٌ'' اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔
(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۳۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''شہید پانچ ہیں، (۱) طاعون سے مرجائے، (۲) پیٹ کی بیماری سے مرجائے، (۳) پانی میں ڈوب کر مرجائے، (۴) دیوار کے نیچے دَب کر مر جائے اور (۵) اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوجائے''۔

نوٹ: دوسری احادیث شریف میں کچھ اور قسم کے لوگوں کا شہادت کا درجہ حاصل کرنا بھی معلوم ہوا ہے مثلاً عورت کا نفاس (بچے کی پیدائش کے دوران) میں مرجانا شہادت کی موت ہے۔ بحری سفر میں بعض لوگوں کو قے آجاتی ہے۔ اگر اسکی شدّت سے وہ مسافر فوت ہو جائے تو اسکو شہادت کا ثواب دیا جاتا ہے اور ڈوبنے والے کیلئے دو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (مشکوٰۃ، ابوداؤد، کتاب الجہاد)

ذات الجنب (Pleurisy) کے عارضہ میں مبتلا ہوکر مرنے سے بھی شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور آگ میں جل کر مرنا بھی شہادت ہے۔ (سنن نسائی، جلد اوّل، باب رونے کی ممانعت، حدیث ۱۸۵۰)

جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مارا جائے، وہ بھی شہید ہے۔ جو اپنے اہل و عیال کو بچانے میں قتل ہوجائے، وہ بھی شہید ہے اور جو شخص دِین کی حفاظت میں مارا جائے، وہ بھی شہید ہے۔ (سنن نسائی، جلد سوم، باب دِین کے دفاع میں مارا جانا، حدیث ۴۱۰۲)

جو شخص اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو دُور کرتے ہوئے (یعنی دفاع میں) مارا جائے، وہ بھی شہید ہے۔ (سنن نسائی، جلد سوم، باب دِین کے دفاع میں مارا جانا، حدیث ۴۱۰۳)۔ جو شخص ظلماً مارا جائے، وہ بھی شہید ہے۔ (سنن نسائی، جلد سوم، باب دِین کے دفاع میں مارا جانا، حدیث ۴۱۰۰)

حدیث ۱۰۱: عَنْ حُمَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِلَی الْخَنْدَقِ فَاِذَا الْمُھَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ یَحْفِرُوْنَ فِیْ غَدَاۃٍ بَارِدَۃٍ وَلَمْ یَکُنْ لَھُمْ عَبِیْدٌ یَعْمَلُوْنَ ذٰلِکَ لَھُمْ فَلَمَّا رَأٰی مَابِھِمْ مِنَ النَّصَبِ وَالْجُوْعِ قَالَ

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ ❖ فَاغْفِرِ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

فَقَالُوْا مُجِیْبِیْنَ لَہٗ

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ❖ عَلٰی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۳۸)

ترجمہ : حضرت حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خندق کیلئے نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مہاجر اور انصار سخت سردی میں خندق کھود رہے ہیں۔ انکے پاس خادم نہیں تھے جو یہ کام کرتے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انکی مشقت اور بھوک وغیرہ دیکھی تو فرمایا، ''اے اللہ تعالیٰ! بے شک زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ تُو انصار اور مہاجرین کو بخش دے''۔ انہوں نے جواب میں کہا۔ ''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمیشہ کیلئے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے''۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰۲: عَنِ الْبَرَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاَحْزَابِ یَنْقُلُ التُّرَابَ وَقَدْ وَارَی التُّرَابُ بَیَاضَ بَطْنِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ

لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ❖ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ❖ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ❖ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۴۱)

ترجمہ : حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے غزوۂ احزاب کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی باہر نکالتے تھے اور غُبار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطن شریف کی سفیدی کو چھپایا ہوا تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے تھے، ''اگر تیرا کرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ ہم کو **عزت و وقار (سکینہ)** عنایت فرما اور اگر ہم دُشمن کا مقابلہ کریں تو ہم کو ثابت قدم رَکھ۔ بے شک دُشمن نے ہم پر زیادتی کی جب انہوں نے لڑائی کا ارادہ کیا تو ہم نے اپنے دفاع کا انتظام کیا''۔

نوٹ: ان احادیث مبارکہ پر ذرا غور کریں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور عام مسلمان سب مل جل کر محنت مشقت کرنے میں مصروف رَہے۔

لیڈر کا رویہ پوری قوم کو متاثر کرتا ہے۔ جب لیڈر خود محنتی ہوگا تو قوم بھی محنتی بن جائے گی۔ جب لیڈر عیاشی (کرپشن) میں مدہوش ہوگا تو پھر قوم بھی عیاش بن جائے گی جیسا کہ موجودہ زمانے میں ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

انسانی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دفاع کیلئے قوم یا شہر کا ہر فرد یعنی مرد، عورت، نوجوان، بوڑھے، بچے اور بچیاں سب مساوی طور پر کام میں لگے ہوئے ہیں۔

انسانی تاریخ کا دوسرا موقعہ دوسری جنگ عظیم میں بالکل اسی طرح ہوا۔ روس کے شہر بلگریڈ کے دفاع کے لیے بالکل اسی طرز پر خندق کھودی گئی جس میں ہر شہری یعنی مرد، عورت، بوڑھے، بچے، جوان سب نے مل کر حصہ لیا اور شہر کو کامیابی سے جرمن فوج کے حملے سے بچالیا۔

اگر ہم اسی جذبے سے اپنے ملک کا دفاع کریں خواہ وہ بیرونی خطرات سے ہو یا اندرونی مسائل کی وجہ سے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد نہ فرمائیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اس وقت قوم مخلص لیڈر سے بالکل ہی محروم ہو چکی ہے۔ جو بھی لیڈر آتا

ہے، وہ اپنی ذاتیات سے آگے نہیں سوچتا اور اپنے مخالفین کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں ایسے ملوث ہو جاتا ہے گویا کہ حکمرانی ایک کھیل تماشا ہے اور عوام کو ایسے بھول جاتا ہے جیسے الزائمر (Alzheimer)[1] لاحق ہوگئی ہے۔

اندرونی انتشار نے ہماری صفوں میں بے شمار خندقیں کھودی ہوئی ہیں جن کو عبور کرنے کیلئے عوام بے بس ہیں۔ یہ اندرونی انتشار ہمارے سیاسی لیڈروں کا عوام کے نام تحفہ ہے۔ یہ اسلئے کہ اپنی کرسی کو قائم رَکھنے یا کرسی کو حاصل کرنے کیلئے ہر جائز و ناجائز راستہ اختیار کرتے ہیں اور ملک میں بدامنی کا وہ طوفان لے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ یہ سب عوام کا نام تو لیتے ہیں لیکن عوام کو بے وقوف بنا کر ملک دُشمن اقدامات کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لیڈروں سے بچائے جو ملک کے وفادار نہیں ہیں بلکہ واضح طور پر منافقت سے کام لے رہے ہیں۔

○.....○.....○

(۱) الزائمر ایک ایسی بیماری ہے جس میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو بھی نہیں پہچانتا۔

حدیث ۱۰۳: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ غَزَاۃٍ فَقَالَ اَنَّ اَقْوَامًا بِالْمَدِیْنَۃِ خَلْفَنَا مَا سَلَکْنَا شِعْبًا وَلَا وَادِیًا اِلَّا وَھُمْ مَعَنَا فِیْہِ حَبَسَھُمُ الْعُذْرُ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۴۳)

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غزوہ (غزوۂ تبوک) میں فرمایا، ''مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ہیں جن کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ ہم کسی گھاٹی اور وادی میں نہیں چلے مگر وہ اس میں ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ انکو عذر (مجبوری) نے روک رکھا ہے''۔

نوٹ: مدینہ منورہ میں بعض مخلص مؤمنین ایسے تھے جنکے پاس غزوہ میں شرکت کرنے کیلئے کوئی وسائل نہ تھے اور نہ ہی ریاست مدینہ طیبہ اتنی امیر تھی کہ انکو وسائل مہیا کرسکتی۔ وہ لوگ غزوہ میں نہیں جا سکے اور اس بات کا انہیں سخت رَنج تھا کہ ہم ایک عظیم مقصد سے پیچھے رہ گئے۔ اسی دِلی رنج کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انکے لیے وہی ثواب لکھا جو کہ مخلص مؤمنین جو شامل تھے، ان کیلئے لکھا گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر فرمادی گئی تھی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شدّت خلوص سے اگر انسان ایک کام کرنا چاہتا ہے لیکن اگر اسکے پاس وسائل نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اسکو اتنا ہی اَجر عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس نے وہ کام اللہ تعالیٰ کے راستے میں انجام دے دیا ہو۔

ایک حدیث شریف میں یوں آیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص ریت کے ٹیلوں میں سے گزر رہا تھا تو اس کے دِل میں پُرخلوص خواہش جاگی کہ اگر میرے پاس ان ٹیلوں کے برابر سونا ہوتو میں سب کا سب اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کردوں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ اس کے لیے اتنا ثواب لکھ دو گویا کہ اس نے اتنا سونا خرچ کردیا ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰۴: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّمَا اَخْشٰی عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِیْ مَایُفْتَحُ عَلَیْکُمْ مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ ثُمَّ ذَکَرَ زَھْرَۃَ الدُّنْیَا فَبَدَأَ بِاَحَدِھُمَا وَثَنّٰی بِالْاُخْرٰی فَقَامَ رَجُلٌ'' فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ! اَوَیَاتِیْ الْخَیْرُ بِالشَّرِّ فَسَکَتَ عَنْہُ' النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قُلْنَا یُوْحٰی اِلَیْہِ وَسَکَتَ النَّاسُ کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِھِم الطَّیْرَ ثُمَّ اَنَّہٗ مَسَحَ عَنْ وَجْھِہِ الرُّحَضَآءَ فَقَالَ اَیْنَ السَّآئِلُ اٰنِفًا اَوَخَیْرٌ'' ھُوَ ثَلٰثًا اِنَّ الْخَیْرَ لَا یَاتِیْ اِلَّا بِالْخَیْرِ وَاِنَّہٗ کُلُّ مَا یُنْبِتُ الرَّبِیْعُ یَقْتُلُ اَوْ یُلِمُّ اِلَّا اٰکِلَۃَ الْخُضَرِ اَکَلَتْ حَتّٰی اِذَا امْتَدَّتْ حَاضِرَتَاھَا اِسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ فَثَلَطَتْ وَ بَالَتْ ثُمَّ رَتَعَتْ وَاِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ'' حُلْوَۃٌ'' وَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ لِمَنْ اَخَذَہٗ بِحَقِّہٖ فَجَعَلَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَنْ لَمْ یَأْخُذْھَا بِحَقِّہٖ فَھُوَ کَالْاٰکِلِ لَا یَشْبَعُ وَیَکُوْنُ عَلَیْہِ شَھِیْدًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۴۶)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر تشریف لائے اور فرمایا، ''مجھے اپنے بعد تم پر یہ ڈر ہے کہ تم پر دُنیا کی برکات کھل جائیں گی'' پھر دُنیا کی رونق کا ذکر فرمایا۔ ایک کو شروع کیا پھر دوسری کو۔ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا خیر دعوت دے گی شر کو؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ ہم نے کہا، ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے''۔ چنانچہ لوگ ایسے خاموش (اور ساکن) ہو گئے گویا کہ انکے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں پھر آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرۂ انور سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا، ''ابھی ابھی سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ بے شک خیر بُرائی نہیں لاتی (لیکن ذرا سوچیں) موسم ربیع جو گھاس اُگاتا ہے، وہ جانور کو مار ڈالتا ہے یا مرنے کے قریب کر دیتا ہے۔ جب جانور گھاس چرتا ہے حتیٰ کہ جب اسکی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہیں تو وہ سورج کے سامنے آ جاتا ہے پھر وہ لید اور پیشاب کرتا ہے اور پھر چرنے لگ جاتا ہے۔ بے شک یہ مال (اسی طرح) سرسبز میٹھا ہے۔ مسلمان کا وہ مال کیا ہی اچھا ہے جو وہ حق سے حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرتا ہے اور جو شخص اسکو حق سے حاصل نہیں کرتا، وہ اس چرنے والے (جانور) کی طرح ہے جو سیر نہیں ہوتا اور ایسا مال قیامت کے روز اس شخص کے خلاف گواہی دے گا''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی پیشین گوئی فرمائی ہے جو کہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشویش یہ نہیں تھی کہ تم کافر بن جاؤ گے بلکہ تشویش یہ تھی کہ دُنیا میں اتنے مگن ہو جاؤ گے کہ دُنیا کی خاطر صراطِ مستقیم کو چھوڑ بیٹھو گے اور دُنیا اتنی سمیٹنے کی کوشش کرو گے کہ وہ خود تمہارے لیے ایک زہرِ قاتل بن جائے گی جس طرح موسم ربیع میں جانور گھاس کھا کھا کر بیمار ہو جاتے ہیں یا بعض مر بھی جاتے ہیں۔

ہمارا حال اب بالکل ایسا ہی ہو چکا ہے کہ ہم جانوروں کی طرح مال کمانے اور کھانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں لیکن ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ معاشرے میں کرپشن اسی مال کے حرص کی وجہ سے ہے۔ آپکا مشاہدہ ہوگا اور میرا بھی مشاہدہ ہے کہ کرپشن میں ملوث شخص کبھی نہ کبھی اس دُنیا میں مرنے سے پہلے ذلیل ضرور ہوتا ہے اور آخرت میں یہی مال موجبِ حسرت ہوگا۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی سفر کیلئے تیار کر رہا تھا۔ وہ اونٹنی سے گرا اور فوراً ہی مر گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسکو اُٹھانے کیلئے بھاگے اور کہہ رہے تھے، ''شہید، شہید''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''یہ شہید نہیں ہے، یہ جہنمی ہے کیونکہ اس نے مالِ غنیمت سے ایک چادر چرائی تھی'' (بخاری)

بہترین مال وہ ہے جو حق کے ساتھ حلال حاصل کیا ہو اور **حق** کے ساتھ ہی خرچ کیا ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک دفعہ بیت المال میں کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ اے مال! قیامت کے روز گواہ رہنا کہ میں نے تمہیں حق کے ساتھ حاصل کیا اور حق کے ساتھ ہی خرچ کیا۔

جو مال ناحق طریقوں حرام سے حاصل کیا جاتا ہے اور **ناحق راستوں** پر خرچ کیا جاتا ہے وہ دراصل جہنم کا انگارہ ہے۔ کیا آپ اسکو پسند کرتے ہیں؟

آپ اس سے خود اندازہ لگا لیجئے کہ جو لوگ کئی حیلوں سے عوامی خزانے سے کروڑوں اربوں کی چوری کرتے ہیں، انکا حشر کیا ہوگا؟

جو لوگ اپنے بھائی کا مال کھا جاتے ہیں جسکا کوئی قانونی جواز نہیں ہوتا، وہ بھی اپنے انجام سے ڈریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○**'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۸۸) ترجمہ ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکّام تک پہنچاؤ (یعنی رشوت) کہ تم اس طرح لوگوں کے مال کا ایک حصہ جان بوجھ کر گناہ سے کھا جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ نے مال کے جمع کرنے اور اسکو نہ خرچ کرنے کے متعلق قرآن کریم میں یوں فرمایا، ''**اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○**'' (التکاثر ۱۰۲، آیت ۱-۲) ترجمہ ''مال کی زیادتی نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم اپنی قبر میں پہنچ جاتے ہو'' یعنی مال کو جمع کرنے میں تم اتنے اندھے ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے **قوانین حلال وحرام کو پس پشت ڈال** کر مال پر مال جمع کرتے جا رہے ہو اور اس درجہ تم اس میں غرق ہو کہ آخری دَم تک تمہیں اس بات کا ہوش نہیں رہتا کہ میں جو کچھ کما رہا ہوں، وہ سب کا سب حرام ہے اور میرا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

احمد علی میرا ایک دوست ہے۔ اس نے اپنے بھتیجے کو جسکا والد فوت ہو چکا ہے، روزگار کیلئے تیار کرنے کا سوچا۔ احمد علی نے اسکو پراپرٹی کے کاروبار میں لگا دیا۔ احمد علی کے کچھ رہائشی و کمرشل پلاٹ تھے۔ اس میں سے اس نے ایک پلاٹ اسکے نام عاریتاً کر دیا کہ اسکو فروخت کرو اور اپنا کام شروع کرو۔ وہ کچھ سال کاروبار کرتا رہا۔ پھر ایک وقت آیا

کہ اس نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ میں نے جو پلاٹ آپکے نام عاریتاً لگایا تھا، یہ اب مجھے واپس کردو کیونکہ آپکا کاروبار اب چل نکلا ہے تو احمد علی نے مجھے بتایا کہ ''اس نے **صاف صاف** یہ جواب دیا کہ آپکا کوئی ایسا پلاٹ نہیں ہے جو میرے نام ہو''۔ میں اسکی بات پر سخت حیران اور افسوس زدہ تھا۔ بعد میں میں نے اسکا ذکر جب کئی لوگوں سے کیا تو مجھے بہت سے گھرانے ایسے ملے جہاں اس طرح کی ''ڈاکہ زنی'' کے واقعات ملے۔ میں سوچتا رہا کہ ایسا ملک جس میں چوری اتنی کثرت سے پائی جاتی ہے، زندہ کیسے رہ رہا ہے۔ پھر میری نظر اقتدار کے ایوانوں کی طرف گئی تو یہی صورت میں نے وہاں بھی پائی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہم حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے بہت دُور نہیں ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ جل جلالہٗ ہمیں واپس سیدھے راستے پر آنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

ہم کافر تو نہیں ہوئے لیکن مال جائز ناجائز اکٹھا کر رہے ہیں جو ہمارے ہی خلاف قیامت میں گواہی دے گا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰۵: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلْخَیْلُ فِیْ نَوَاصِیْھَا اَلْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۵۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دفاع کو ہمیشہ مضبوط رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس پر ہمیں تیار رہنے کا بڑی شدت سے حکم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا، ''وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ ۚ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○'' (الانفال ۸، آیت ۶۰) ترجمہ ''اوران (یعنی دُشمنوں) سے مقابلہ کیلئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے، سامان تیار رکھو۔ قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جسکے ذریعہ سے تم اپنا رُعب ڈالے رکھو گے اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں اور اپنے دُشمنوں پر اور انکے علاوہ دوسرے دُشمنوں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے، اسکا اَجر تمہیں پورا پورا وہ دے دے گا اور تمہارے لیے اَجر میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی''۔

دُنیا کا ہر ملک اپنے دفاع کو بجٹ میں اوّل ترین جگہ دیتا ہے کیونکہ آزادی سب سے زیادہ عزیز چیز ہے۔ آزادی پر ہی ایمان کا انحصار ہے۔ اگر آزادی سلب ہو جائے گی تو ایمان بھی سلب ہو جائے گا لیکن ہم نے دفاع کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ اس میں عوام کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا حکمرانوں کا۔ عوام کا قصور یہ ہے کہ اپنی دولت کو عقلمندی سے استعمال نہیں کرتے مثلاً رہائشی کالونیوں میں ہم بڑھ چڑھ کر مکانات پر پیسہ لگاتے ہیں۔ یہی پیسہ اگر ہم ملکی صنعت میں لگائیں اور گھر کو سادہ رکھیں تو اس میں ملکی صنعت اور معیشت مضبوط ہوگی جس پر ملکی دفاع کا انحصار ہے۔ حکمرانوں کا قصور یہ ہے کہ دفاعی وسائل کو ملک میں ترقی نہیں دی گئی۔ چاہیے تھا کہ صنعت دفاعی بنیادوں پر قائم کی جاتی اور عوام کو

اس صنعت میں پیسہ لگانے کی ترغیب دی جاتی لیکن ہم زیادہ تر غیر ملکی دفاعی مشینری پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے وقت آنے پر کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مادی وسائل سے بھی زیادہ جس بات کی ضرورت ہے، **وہ ایمانی قوت ہے** کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دفاع کی بنیاد ایمانی قوت پر رَکھی ہے گو وسائل کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر توکل وسائل پر نہیں رَکھا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''**وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه**ٗ'' (الطلاق ۶۵، آیت ۳) ترجمہ ''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے گا، سو اللہ تعالیٰ اس کیلئے کافی ہو جائے گا''۔

ایٹم بم ایک بہترین ہتھیار ہے لیکن کامیابی ایٹم بم پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہوں، اپنی معیشت کو عدل کی بنیاد پر ترقی دیں اور قوم میں عدل قائم کرنے کیلئے پورے خلوص کے ساتھ کام کریں۔ اپنی دولت کو بے جا اُڑانے کے بجائے دفاعی اور غیر دفاعی صنعت کو فروغ دینے میں لگائیں۔ اسکا انتظام کرنا حکومت کا ذمّہ ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ الزائمر (Alzheimer)[1] کی ماری ہوئی ہے۔

○.....○.....○

(۱) الزائمر ایک ایسی بیماری ہے جس میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو بھی نہیں پہچانتا۔

حدیث ۱۰۶: عَنْ عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتِ اسْتُاذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ الْجِهَادِ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ جِهَادُ کُنَّ الحَجُّ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۷۹)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تمہارا جہاد حج ہے''۔

نوٹ: عورت پر جہاد فرض نہیں ہے۔عورت کیلئے حج کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک مرد جہاد پر جاتا ہے۔عورت کیلئے حج میں اتنا ہی ثواب ہے جتنا مرد کیلئے جہاد کرنے میں۔

اِسلام کے شروع زمانے میں عورتیں مجاہدین کے ساتھ میدانِ جنگ میں شریک ہوتی تھیں اور انکا زیادہ کام زخمیوں کی دیکھ بھال اور مقتولین کی تجہیز وتکفین میں مدد دینا ہوتا تھا لیکن بعد کے حالات میں عورتوں کی شراکت کی ضرورت نہیں رہی، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اب عورتیں جہاد میں جانے سے پرہیز کریں اور انکا جہاد حج ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰۷: عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِیْ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا مَوْلَی الْمَطَّلِبِ بْنِ حَنْطَبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِلٰی خَیْبَرَ اَخْدُمُہٗ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ رَاجِعًا وَبَدَالَہٗ اُحُدٌ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ھٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ ثُمَّ اَشَارَ بِیَدِہٖ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا کَتَحْرِیْمِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَام مَکَّۃَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۹۱)

ترجمہ : حضرت مطلب بن حنطب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مَولیٰ حضرت عمرو بن ابی عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف نکلا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کرتا رہا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لائے اور اُحُد پہاڑ سامنے ظاہر ہوا تو فرمایا، ''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔ پھر دستِ اقدس سے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ''اے اللہ جل جلالہٗ! میں مدینہ منورہ کو اسکے دونوں کناروں کے درمیان حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا۔ اے اللہ جل شانہٗ! ہمارے **صاع اور مُدّ** (۱) میں برکت عطا فرما''۔

نوٹ: یہاں اُحُد پہاڑ کو ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ میں انصار سے محبت کرتا ہوں اور انصار مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آگے فرمایا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ) کی محبت میں مکہ مکرمہ کو حرم بنایا۔ اسی طرح میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں مدینہ منورہ کو جہاں انصار رہتے ہیں

(۱) صاع اور مُدّ وزن کے پیمانے ہیں۔

حرم بناتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر انصار ایک گھاٹی میں چلیں اور دوسرے لوگ دوسری گھاٹی میں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔

جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زیادہ مالِ غنیمت ان لوگوں کو دیا جو ابھی ابھی ایمان لائے تھے اور انصار کو مالِ غنیمت کم ملا تو انصار نے کچھ رنج شکنی کا اشارہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ دوسرے لوگ دُنیا کا مال لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو لے کر اپنے گھر جاؤ''۔

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انصار کو محبوب رَکھتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انصار کو محبوب رَکھتا تھا، ''**وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝**'' (التوبۃ ۹، آیت ۱۰۰) ترجمہ ''اور (جو) مہاجرین وانصار میں سے سابق و مقدم ہیں اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان (سب) سے راضی ہوا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کیلئے ایسے باغ تیار کر رَکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں یہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔

○.....○.....○

حدیث ۱۰۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ سُلَامَیٰ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ، کُلَّ یَوْمٍ یُعِیْنُ الرَجُلَ فِیْ دَابَّتِهٖ یُحَامِلُه، عَلَیْهَا اَوْ یَرْفَعُ عَلَیْهَا مَتَاعَه، صَدَقَةٌ، کُلَّ یَوْمٍ یُعِیْنُ الرَجُلَ فِیْ دَابَّتِهٖ یُحَامِلُه، عَلَیْهَا اَوْ یَرْفُعُ عَلَیْهَا مَتَاعَه، صَدَقَةٌ، وَالْکَلِمَةُ الطَیِّبُ وَکُلُّ خُطْوَةٍ یَمْشِیْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ، وَدَلُّ الطَرِیْقِ صَدَقَةٌ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۹۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ ہے۔ کسی شخص کی اسکے جانور پر سوار ہونے اور اس پر بوجھ لادنے میں مدد کرنا صدقہ ہے۔ کسی سے اچھی بات کرنا اور نماز کیلئے ہر قدم اُٹھا کر چلنا صدقہ ہے۔ کسی کو راستہ بتانا صدقہ ہے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھے کام اور ہر اچھی بات کا اللہ تعالیٰ اَجر عطا فرماتا ہے لہٰذا کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی ادنیٰ سمجھ کر چھوڑنہیں دینا چاہیے بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ جو ظاہری طور پر ایک ادنیٰ نیکی نظر آتی ہے، اس میں اپنے خلوص کو مزید تقویت دے کر اپنے بھائی کا کام پورے انہماک سے کر دینا چاہیے۔

مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے کہ ۱۹۵۷ء میں میں کالج اسٹوڈنٹ تھا اور اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک رہائشی کالونی میں ہم سیر کر رہے تھے۔ ہمیں راستے میں دو راہبائیں ملیں۔ وہ ایک مکان تلاش کر رہی تھیں۔ انہوں نے ہم سے پتہ پوچھا جسکا علم ہمیں بھی نہیں تھا لیکن ہم نے انکو کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں، ہم تلاش کر کے بتاتے ہیں تو میں اور میرے دوست نے ادھر ادھر لوگوں سے پوچھ کر کوئی آدھ گھنٹے کے بعد انکو آ کر بتایا کہ یہ مکان فلاں جگہ ہے۔ آپ یہ راستہ اختیار کریں، آپکو یہ مکان مل جائے گا۔ انہوں نے ہماری اس درجہ تعریف کی کہ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ یہ ایک معمولی بات ہے، یہ ہماری اتنی تعریف کیوں کر رہی ہیں لیکن آج میں نے جب اس حدیثِ مبارکہ کو پڑھا تو پھر مجھے انکی صداقت پر یقین آیا۔

اس حدیث شریف میں ایک اَور طرف بھی ہماری توجہ دلائی گئی ہے کہ دِن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جتنا ممکن ہو سکے، ہر **قدم** پر کوئی نہ کوئی نیکی کا کام کرتے رہیں پھر اللہ تعالیٰ آپکو اتنی ہدایت دے گا کہ آپ خود حیران رہ جائیں گے اور آہستہ آہستہ بُرائیاں کم ہوتی جائیں گی،''.....**اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ** ط.....''(ھود۱۱، آیت۱۱۴) ترجمہ''.....یقیناً نیکیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں.....''

○.....○.....○

حدیث ۱۰۹: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِن السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْر'' مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْھَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ اَحَدِکُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ خَیْر'' مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْھَا وَالرَّوْحَۃُ یَرُوْحُھَا الْعَبْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ الْغَدْوَۃُ خَیْر'' مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْھَا ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۹۴)

ترجمہ: حضرت سہل بن ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دِن گھوڑا دوڑانا دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے، سے بہتر ہے اور جنّت میں تمہارے ایک کوڑے کی جگہ دُنیا اور دُنیا کی ہر شئے سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شام یا صبح کو جانا دُنیا اور دُنیا میں ہر شئے سے افضل ہے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی خاطر جو کام بھی کرو گے، اسکا اَجر جنت ہے۔ اگر دُنیا کی خاطر کرو گے تو وہ چیز دُنیا میں ہی مل جائے گی لیکن پھر آخرت میں آپکا حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے، ''مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ ۚ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ ○''(الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۰) ترجمہ ''جوکوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہے، ہم اسے اسکی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جوکوئی دُنیا کی کھیتی کا طالب ہے، ہم اسے دُنیا میں ہی دیں گے اور آخرت میں اسکا کچھ حصہ نہ ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا، ''..... فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْب'' مِّمَّا کَسَبُوْا ؕ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○''(البقرہ ۲، آیت ۲۰۰-۲۰۲) ترجمہ ''.....اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ

'اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا (ہی) میں دے دے' اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور کوئی ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ 'اے ہمارے پروردگار! ہم کو دُنیا میں (بھی) اچھی زندگی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھنا'۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دونوں جہانوں میں حصہ مل کر رہے گا بعوض اسکے کہ جوانہوں نے عمل کیے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے''۔

یہ ایک حقیقتِ مطلق (Universal Truth) ہے کہ اگر انسان صرف اللہ رَبّ العزت کی خاطر ایک اچھا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اَجر عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ صرف دُنیا کے فائدے کی خاطر ایک اچھا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا اَجر اسکو دُنیا میں دے دیتا ہے اور آخرت میں اسکے لیے کوئی اَجر نہیں ہے۔

غیر اللہ کی خاطر انسان بہت سے اچھے کام لاشعوری طور پر یا اِرادتاً کرتا رہتا ہے مثلاً اپنے نفس کو خوش کرنے کی خاطر، معاشرے میں اپنا ایک اعلیٰ مقام بنانے کی خاطر، اپنی تعریف کی خاطر یا اپنے مالی فائدے کی خاطر کرتا ہے۔ یہ سب کام جو بظاہر نیک ہوں گے لیکن دُنیا کی خاطر کئے گئے ہیں۔ ان کاموں کا اَجر اللہ تعالیٰ کرنے والے کو اسی دُنیا میں دے دیتا ہے مثال کے طور پر ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں ایک فوجی حساب کتاب کیلئے آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے میرے لیے کیا کیا؟ تو وہ عرض کرے گا کہ میں تیرے راستے میں لڑتا رہا ہوں اور میں نے تیرے راستے میں جان دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے۔ تو تو دُنیا میں اپنی بہادری کی شہرت کیلئے لڑ رہا تھا لہٰذا اسکا اَجر میں نے تجھے دُنیا ہی میں دے دیا تھا یعنی میں نے تمہاری بہادری کی شہرت دُنیا میں پھیلا دی تھی، اَب آخرت میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ، جلد اوّل، حدیث ۱۹۴)

ایک دفعہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ عرض کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے ایک مکان بنایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے گھر میں دو (۲) نفل پڑھ کر برکت عطا فرمائیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے ساتھ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس کے گھر میں ایک روشندان بنایا گیا ہے جس کا اُس وقت ہونا رواج نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا، ''یہ کس لیے بنایا

ہے؟'' اس نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہوا کے لیے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر تم یہ کہتے کہ اذان سننے کیلئے بنایا ہے تو بہتر تھا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں دو (۲) رَکعت نفل ادا نہیں فرمائے اور واپس تشریف لے آئے۔ اگر اس کی نیّت اذان سننے کی ہوتی تو اس کو ہوا بھی ملتی اور اذان سن کر نماز میں شامل ہونے کا مزید ثواب ملتا لیکن اس کی نیّت چونکہ صرف اپنے گھر کو ہوادار بنانا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسکے گھر کو ہوادار تو بنا دیا لیکن آخرت کے اَجر میں اس عمل کا کوئی حصہ نہ رکھا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱۰: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَاتِیْ زَمَان'' یَغْزُوْ فِیْہِ فِئَام'' مِنَ النَّاسِ فَیُقَالُ فِیْکُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَیُقَال نَعَمْ فَیُفْتَحُ عَلَیْہِ ثُمَّ یَاتِیْ زَمَان'' فَیُقَالُ فِیْکُمْ مَنْ صَحِبَ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَیُقَالُ نَعَمْ فَیُفْتَحُ ثُمَّ یَاتِیْ زَمَان'' فَیُقَالُ فِیْکُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَیُقَالُ نَعَمْ فَیُفْتَحُ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۹۸)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک زمانہ آئے گا، لوگوں کی جماعتیں جنگ لڑیں گی تو کہا جائے گا، 'تم میں کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے؟' اسکو کہا جائے گا، 'ہاں!' تو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا اور کہا جائے گا، 'تم میں وہ شخص ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی معیت اختیار فرمائی ہو؟' تو کہا جائے گا، 'جی ہاں!' تو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک زمانہ آئے گا اور کہا جائے گا، 'تم میں وہ شخص ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی معیت اختیار کرنے والے کی صحبت اختیار کی ہو' تو کہا جائے گا، 'جی ہاں!' تو فتح حاصل ہوگی''۔

نوٹ: قرآن حکیم نے ملکی دفاع میں فتح کی بنیاد ایمان پر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے ''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۹) ترجمہ ''اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم (پکے) مؤمن ہو''۔

اس حدیث شریف سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ پکے مؤمنوں کا زمانہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر تبع تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک

رہا ہے، اس لئے وہ فتح سے ہمکنار ہوتے رہے۔ اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، اُمّت کا ایمان کمزور پڑتا گیا اور ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ اب حالت یہ ہوگئی ہے، یوں لگتا ہے کہ ہم میں شاید ایمان کی رمق بھی باقی نہیں ہے کیونکہ اس دَور میں واضح طور پر ہم پر غیر مسلموں کا غلبہ ہے اور یہ غلبہ ہر شعبہ میں نظر آتا ہے لیکن خاص طور پر سیاسی، علمی اور دفاعی محاذ پر وہ ہم پر پوری طرح حاوی ہو چکے ہیں۔

اس وقت ہم ایک عذابِ مہین میں مبتلا ہیں۔ اس سے نکلنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ قرآن حکیم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے ایمان کو مضبوط کریں۔ ہم اگر اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کے حقوق پورے پورے ادا کریں تو تب ہی ہم اپنی عزت بحال کر سکتے ہیں اور فتح سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ''یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝'' (الانفال ۸، آیت ۶۵) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اسلئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فتح کی بنیاد ایمان پر رکھی ہے نہ کہ اسلحہء جنگ پر۔ ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ ہمارا ایمان انتہائی نچلے درجے تک کیوں پہنچ چکا ہے؟ ہمارا دِن جھوٹ سے شروع ہوتا ہے اور جھوٹ پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جب تک سچائی کو غالب نہیں کریں گے تو ایمان کی پختگی نہیں ہوگی اور ہم اس دُنیا میں وقار حاصل نہیں کر سکیں گے اور آخرت میں بھی عزت کے مقام کی محرومی کا اندیشہ ہو جائے گا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱۱: عَنْ سَلَمَةَ بْنَ الْاَکْوَعِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی نَفرٍ مِنْ اَسْلَمَ یَنْتَضِلُوْنَ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِرْمُوْا بَنِیْ اِسْمٰعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا وَاَنَا مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ قَالَ فَاَمْسَکَ اَحَدُ الْفَرِیْقَیْنِ بِاَیْدِیْھِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَالَکُمْ لَا تَرْمُوْنَ؟ قَالُوْا کَیْفَ نَرْمِیْ وَاَنْتَ مَعَھُمْ؟ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِرْمُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ کُلِّکُمْ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۷۰۰)

ترجمہ : حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ اسد کے چند لوگوں کے پاس سے گزرے جبکہ وہ تیراندازی کر رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے اسماعیل کی اولاد! تیراندازی کرو۔ تمہارے والد بھی تیرانداز تھے، تیراندازی کرو اور میں فلاں کے بیٹوں کے ساتھ ہوں''۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا، دونوں فریقوں میں سے ایک فریق نے اپنے ہاتھ روک لئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم نے تیر اندازی سے ہاتھ کیوں روک لیے؟'' انہوں نے عرض کی، ''ہم کیسے تیر پھینکیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے ساتھ ہیں؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفاع کیلئے ہر وقت تیار رہنے کی ترغیب فرما رہے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے، '' یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ط ..... '' (الانفال ۸، آیت ۶۵) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مسلمانوں کو دفاع کی ترغیب دو.....''۔

اس حدیثِ مبارکہ اور قرآن حکیم کی آیتِ شریفہ کے برعکس ہم دفاع سے غافل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم فوج بھی رکھتے ہیں، محکمہ دفاع بھی موجود ہے لیکن دفاع

کی اکثر مشینری دوسرے ملکوں سے یا تو خریدی ہوئی ہے یا ''مدد'' کے طور پر لی ہوئی ہے اور جنگ کی صورت میں انکے سپیئر پارٹس کیلئے ہم دوسرے ملکوں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم مکمل طور پر دفاع میں خود کفیل ہوں لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہماری صفوں میں کرپشن اور نا اہلیت اس حد تک سرایت کر چکی ہیں جیسے دیمک کا کیڑا لکڑی کو کھا جاتا ہے اور اوپر سے لکڑی ٹھیک نظر آتی ہے۔ ہمارے ملکی وسائل کرپشن کی نذر ہو جاتے ہیں اور دفاعی مشینری تیار کرنے کیلئے ہمارے پاس خاطر خواہ مالی قوت نہیں بچتی۔

جب تک ہم دفاع میں مکمل طور پر خود کفیل نہیں ہوں گے، ہماری آزادی خطرے میں رہے گی۔

موجودہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم مکمل طور پر دفاعی اسلحہ خود بنائیں۔ یہ صلاحیت پاکستان میں موجود ہے لیکن کچھ بڑے لوگ اپنے ذاتی اغراض کی خاطر اس صلاحیت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ ہمارے یہی سائنسدان یورپ اور امریکہ جا کر ان ملکوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن انہیں یہاں اپنے ملک میں کام کرنے کا ماحول مہیا نہیں کیا جاتا۔

جب تک دفاع میں ہم مکمل طور پر خود کفیل نہیں ہو جاتے، ہم اپنے آپکو آزاد نہیں کہہ سکتے کیونکہ انسانی تاریخ میں جسکی دفاعی قوت سپریم ہے، وہی اپنی آزادی کا تحفظ کرتا دیکھا گیا ہے۔

ملک کے ہر نوجوان کو سال کے کچھ مہینے فوجی تربیت میں گزارنے چاہئیں تا کہ وقت آنے پر ایک قلیل وقت میں فوجی کمک تیار کی جا سکے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱۲: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا کُسِرَتْ بَیْضَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ رَأْسِہٖ وَاُدْمِیَ وَجْھُہٗ وَکُسِرَتْ رَبَاعِیَتُہٗ وَکَانَ عَلٰی یَخْتَلِفُ بِالْمَآءِ فِی الْمِجَنِّ وَکَانَتْ فَاطِمَۃُ تَغْسِلُہٗ فَلَمَّا رَأَتِ الدَمَ یَزِیْدُ عَلَی الْمَآءِ کَثْرَۃً عَمَدَتْ اِلٰی حَصِیْرٍ فَاَحْرَقَتْھَا فَاَلْصَقَتْھَا عَلٰی جُرْحِہٖ فَرَقَأَ الدَّمُ۔

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۷۰۴)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر مبارک کا خود ٹوٹ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرۂ انور خون آلود ہو گیا اور سامنے والے دانت متاثر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھال میں پانی بھر کر لاتے جاتے تھے اور سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا زخم کو دھوتی جاتی تھیں اور جب انہوں نے دیکھا کہ دھونے سے خون زیادہ ہوتا ہے تو سیّدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چٹائی کو جلایا اور اس سے زخم بھر دیا تو خون رُک گیا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱۳: عَنِ الرُبَیِّعِ اِبْنَتِ مُعَوِّذٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَتْ کُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَنَسْقِیْ الْقَوْمَ وَنَخْدُمُھُمْ وَنَرُدُّ الجَرحیٰ وَالْقَتْلٰی اِلٰی الْمَدِیْنَۃِ۔

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۶۸۶)

ترجمہ: حضرت رُبیع بنت معوّذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ میدانِ جنگ میں ہوتی تھیں اور پیاسے لوگوں کو پانی پلاتیں، انکی خدمت کرتیں اور زخمی اور قتل ہونے والوں کو مدینہ منورہ واپس لے جاتی تھیں''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں عورتیں بھی جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔ انکا کام زیادہ تر زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا ہوتا تھا۔

یہی نہیں بلکہ وہ معاشرتی زندگی میں بھی مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ ملکی ترقی میں ہاتھ بٹاتی تھیں۔ وہ مسجد میں بھی حاضری دیتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو''۔ وہ تجارت بھی کرتی تھیں۔ بعد کے زمانے میں عورتوں کو گھروں میں محصور کر دیا گیا، پردہ اس شدت سے ہونے لگا کہ انکے لیے کاروبارِ زندگی میں حصہ لینا مشکل ہو گیا۔ اس سے ملکی ترقی بہت متاثر ہوئی کیونکہ ہم عورت کے پردے کی حدود کو انتہا تک لے گئے ہیں اور انکو گھروں میں بند کر دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میانہ روی اختیار کرتے ہوئے عورت پردے کے ساتھ ملکی کاروبار میں حصہ لیتی رہتی۔

آج کل ہم دوسری انتہا کو پہنچ رہے ہیں کہ پردہ بھی غائب ہے اور ملکی ترقی میں عورت کو صحیح مقام پر کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جا رہا۔ میانہ روی نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر کام میں بہترین راستہ متوسط راستہ ہوتا ہے۔

متوسط راستہ یہ ہے کہ عورت اپنے شرعی ستر کو پوری طرح ڈھانپے۔ شرعی ستر عورت کا پورا جسم ہے سوائے دو ہاتھ، دو پاؤں اور چہرے کے۔ **بال اور گردن** بھی چھپے ہونے چاہییں۔

اللہ ربّ العزت نے فرمایا، ''**وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ص وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○**'' (النور۲۴، آیت ۳۱) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! فرما دیجئے مؤمن عورتوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر سوائے اسکے جو اس میں سے کھلا رہنا چاہیے

اور اپنے دوپٹّے اپنے گریبانوں پر ڈالیں رَہا کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہر پر، اپنے والد پر، اپنے شوہر کے والد پر، اپنے بیٹوں پر، اپنے شوہر کے بیٹوں پر، اپنے بھائیوں پر، اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر، اپنی بہنوں کے لڑکوں پر اور اپنی عورتوں پر اور باندیوں پر اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں، جو عورت کی طرف رغبت نہیں رَکھتے اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہیں اور عورتوں کو چاہیے کہ اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ انکا چھپا ہوا زیور معلوم ہو جائے اور تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔ اے ایمان والو! تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

یہ آیت مبارکہ ہمیں پردہ کی حدود کی طرف بہترین رہنمائی فرماتی ہے، اس آیت مبارکہ پر غور کرنا چاہیے اور متوازن طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

مروّجہ برقعہ میں پروفیشنل ڈیوٹی کرنی مشکل ہوتی ہے لیکن اس لباس میں جو میں نے بیان کیا ہے، کام میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔

بُرائی کو روکنے کیلئے مزید اقدامات بھی بہت ضروری ہیں۔ مرد اور عورت کی اخلاقی تربیت دراَصل پردے کی روح ہے۔ اگر اخلاقی تربیت مفقود ہے تو طبعی پردے سے اتنا اچھے نتائج حاصل نہیں ہوتے۔

پردہ دراَصل تقوے کی ظاہری شکل ہے۔ پردے کا دراَصل مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا، پردہ کر لیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! وہ تو نابینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو۔ اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تقوے کی نصیحت پردے کے الفاظ میں کر رَہے ہیں۔

اس پر قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے لباس کو تقوے سے منسلک کیا ہے۔
''.....وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ.....'' (الاعراف ۷، آیت ۲۶) ترجمہ
''.....اور تقویٰ کا لباس بڑھ کر ہے.....''۔

حدیث ۱۱۴: عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَتْ اَمْوَالُ بَنِیُ النَّضِیْرِ مِمَّا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ مِمَّا لَمْ یُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَیْہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ فَکَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ خَاصَّۃً وَکَانَ یُنْفِقُ عَلٰی اَھْلِہٖ نَفَقَۃَ سَنَتِہٖ ثُمَّ یَجْعَلَ مَا بَقِیَ فِیُ السِّلاحِ وَالْکُرَاعِ عُدَّۃً فِیُ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۷۰۵)

ترجمہ : حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''بنی نضیر کے اموال ایسے تھے جو اللہ تعالیٰ نے خاصتاً (فیٔ) اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے تھے (یعنی جنگ کے بغیر) ان پر مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ ہی اونٹ۔ وہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مال سے اپنے گھر والوں کو ایک سال کا خرچ دیتے۔ پھر جو بچ رہتا، اسکو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی فراہمی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی تیاری میں خرچ فرماتے''۔

نوٹ: اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ گھریلو اخراجات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوّل ترین ترجیح **ملکی دفاع** ہے۔ اوّل تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھریلو زندگی ہی بہت سادہ تھی پھر جو بچ جاتا تھا، وہ جنگی ساز وسامان خریدنے میں صَرف فرماتے تھے۔ یہی سوچ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں سیکھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چند سالوں میں **مشرق اور مغرب کی قوموں پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔**

آج کل ہم گھریلو زندگی کو اوّلاً پُرتعیش بناتے ہیں اور پھر جو بچ جاتا ہے، وہ فضولیات پر صَرف کرتے ہیں۔ ان فضولیات میں رہائشی کالونیوں کا قیام، شادی بیاہ پر بے جا خرچ شامل ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ بچا ہوا پیسہ ایک ایسی صنعت میں لگائیں جس سے ہمارا دفاع مضبوط ہو لیکن جو بھی حکمران آتا ہے، اسکی نظر میں دفاع اوّل ترین ترجیحات میں سے نہیں ہے گو لفظی طور پر ہمارے حکمران دفاع کی بات ضرور کرتے ہیں لیکن عملی طور پر وہ اہمیت نہیں دیتے جو زمانے کا تقاضا ہے۔

حدیث ۱۱۵: عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ جُعِلَ رِزْقِی تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ وَجُعِلَ الذِلَّۃُ وَالصَّغَارُ عَلٰی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، باب ''جو تیروں کے متعلق کہا گیا'')

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ ''میرا رزق میرے تیر کے سایہ تلے مقرر کیا گیا ہے اور ذلّت و رُسوائی اس شخص پر کی گئی ہے جو میرے اس حکم کی مخالفت کرے''۔

نوٹ: جو قوم اپنے دفاع کو مضبوط نہیں رَکھ سکتی، وہ ذلیل وخوار بھی ہوتی ہے اور غریب بھی بن جاتی ہے۔ یہ ایک آفاقی صداقت (Universal Truth) ہے کہ جسکی فوج مضبوط ترین ہوگی، اسکی معیشت بھی مضبوط ترین ہوگی۔ جسکی معیشت مضبوط ترین ہوگی، اسکا دفاع بھی مضبوط ترین ہونا چاہیے لیکن موجود زمانے میں کچھ مسلم ممالک ایسے ہیں جنکی معیشت تو مضبوط ہے لیکن دفاعی لحاظ سے وہ غیر مسلموں کے دستِ نگر بنے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری دیدہ دانستہ غفلت کا نتیجہ ہے۔

ملکی دفاع ہمیشہ سے ہی معیشت پر مبنی رہا ہے اور معیشت ملکی دفاع پر منحصر رہی ہے کیونکہ ملک کی افواج اندرونی اور بیرونی اَمن قائم کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ معیشت اَمن کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔

ایمان کے ساتھ زمانے کے لحاظ سے وسائل کا ہونا بہت ضروری ہے گو نتائج وسائل پر نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ پر ایمان کی مضبوطی پر منحصر ہوتے ہیں۔

معیشت کو مضبوط کرنے کیلئے تاکہ ملکی دفاع مضبوط ترین ہو، اللہ تعالیٰ کی خاطر جو بھی آپ کسب کریں گے، اللہ تعالیٰ آپکو جہاد کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اگر ہم کسبِ حلال میں سستی اور کم ہمتی دکھائیں تو ہمارا دفاع بھی کمزور ترین ہوگا اور پھر سوائے ذلّت اور رسوائی کے ہمارے نصیب میں اور کیا لکھا ہوگا؟

کیا موجودہ حالات اس حدیث مبارکہ کی صداقت پر دلالت نہیں کرتے؟

○.....○.....○

حدیث ۱۱۶: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَکُنَّا اِذَا اَشْرَفْنَا عَلٰی وَادٍ ھَلَّلْنَا وَکَبَّرْنَا اِرْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَاایُّھَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَاِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَاغَائِبًا اِنَّہٗ مَعَکُمْ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ'' قَرِیْبٌ'' ۔(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۷۸۹)

ترجمہ : حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ہم جب کسی وادی پر چڑھتے تو ''لا الہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' اونچی آواز میں پڑھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے لوگو! اپنی جانوں کو آرام دو (یعنی اپنی آوازیں پست رکھو)۔ تم نہ تو کسی بہرے کو سنا رہے ہو اور نہ ہی کسی غائب کو پکار رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو تمہارے ساتھ عین موجود ہے۔ وہ سنتا ہے اور بہت قریب ہے''۔

نوٹ: برصغیر میں یہ رواج عام ہے کہ ہم تکبیر بہت بلند آواز سے پکارتے ہیں۔ جلسے جلوسوں میں دیکھا گیا ہے کہ معمولی معمولی بات پر ''اللہ اکبر'' اتنا اونچی کہتے ہیں جو وقار کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام وقار اور اَدب سے لینا چاہیے۔ چیخنا اور اونچی آواز نکالنا اَدب کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آواز کو بلند کرنا ناپسند فرمایا ہے۔ ''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو''۔ (الحجرات ۴۹، آیت ۲) جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آواز کو بلند کرنا بے اَدبی سمجھا ہے تو کیا خود اپنے سامنے کسی انسان کی آواز کا بلند ہونا اَدب ہوگا؟

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو یہی تربیت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلکی سے ہلکی آواز سننے پر بھی قادر ہے تو اسکو پکارنے میں اونچی آواز کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسکا نام اَدب اور وقار سے لیں۔ ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط اِنَّه' لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○'' (الاعراف ۷، آیت ۵۵) ترجمہ ''اپنے پروردگار سے دُعا کرو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔ یقیناً وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا''۔

۱۹۹۸ء کی بات ہے۔ میں برمنگھم (انگلستان) کی ایک مسجد میں گیا۔ ایک ایرانی عالم نے اپنے بیٹے کو قرآن حکیم حفظ کرا رکھا تھا جسکی عمر صرف چھ (۶) سال تھی۔ اسکو سٹیج پر لایا گیا اور مجمع سے اسکے والد نے کہا کہ آپ قرآن حکیم کی جس آیت کے متعلق بھی اس سے پوچھیں گے، یہ آپکو بتائے گا کہ وہ آیت کہاں ہے۔ مجمع میں اکثریت پاکستانیوں کی تھی۔ جب بھی یہ بچہ آیت کو درست بتاتا تو پاکستانی نعرۂ تکبیر اتنی بلند آواز سے لگاتے کہ ساری مسجد گونج اُٹھتی اور شور شرابے کا سماں پیدا ہو جاتا۔ جب یہ بار بار ہونے لگا تو ایرانی عالم نے بڑی شائستگی سے درخواست کی کہ برائے مہربانی نعرۂ تکبیر بہت ہی آہستہ آواز میں کہنا زیادہ درست ہے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱۷: عَنْ اِبْرَاهِیْمُ اَبُوْاِسْمٰعِیْلُ السَّکْسَکِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بُرْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَاصْطَحَبَا ھُوَ وَیَزِیْدُ بْنُ اَبِیْ کَبْشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا فِیْ سَفَرٍ فَکَانَ یَزِیْدُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَصُوْمُ فِیْ السَفَرِ فَقَالَ لَہٗ اَبُوْ بُرْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سَمِعْتُ اَبَا مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مِرَارًا یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ کُتِبَ لَہٗ مِثْلُ مَا کَانَ یَعْمَلُ مُقِیْمًا صَحِیْحًا۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۷۹۳)

ترجمہ: حضرت ابراہیم ابواسماعیل سکسکی رضی تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا جبکہ وہ اور حضرت یزید بن ابی کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک دفعہ ہمسفر تھے اور حضرت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں روزہ سے تھے تو انکو حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'جب کوئی شخص بیمار ہو جائے یا سفر میں جائے تو جتنی عبادت وہ اقامت اور صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا، اسکے لیے اس جیسی عبادت لکھی جاتی ہے''۔

نوٹ: امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرفوع روایت فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان جسمانی مرض میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے، ''اسکا عمل بدستور لکھتے رہو جو وہ صحت یا سکونت کی حالت میں کرتا تھا''۔ اگر اسکو شفا ہو جائے تو گناہوں سے پاک ہوتا ہے اور اگر فوت ہو جائے تو اسکو بخش دیا جاتا ہے۔ (مسند امام احمد)

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مبارکہ ذکر فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، ''جو کوئی رات کو بیدار ہو کر نماز پڑھا کرتا ہے، اگر وہ بیمار ہو جائے یا اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اسکو بدستور رات کی نماز کا ثواب حاصل ہوتا رہتا ہے اور اسکی نیند اس پر صدقہ بن جاتی ہے'' (عینی)۔

حدیث ۱۱۸: عَنْ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْاَنْصَارِ اسْتَاذَنُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ائْذَنْ فَلْنَتْرُکْ لِابْنِ اُخْتِنَا عَبَّاسٍ فَدَآءَ ہٗ فَقَالَ لَا تَدَعُوْنَ مِنْہُ دِرْھَمًا وَقَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ثَنَا عَبْدُالْعَزِیْزِ بْنُ صُھَیْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَیْنِ فَجَآءَ ہٗ الْعَبَّاسُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اَعْطِنِیْ فَاِنِّیْ فَادَیْتُ نَفْسِیْ وَفَادَیْتُ عَقِیْلًا فَقَالَ خُذْ فَاَعْطَاہُ فِیْ ثَوْبِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۸۴۱)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ انصار سے چند لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ اُنہوں نے کہا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس سے فدیہ چھوڑ دیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم فدیہ ایک درہم بھی نہیں چھوڑو گے''۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالعزیز بن صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذریعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور کہا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے مال دیجئے میں نے اپنی جان کا فدیہ دیا ہے اور عقیل کا بھی فدیہ دیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''لے لو'' اور انکے کپڑے میں انکو مال دے دیا۔

نوٹ: یہاں ذرا نوٹ فرمائیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ جنگ بدر میں وہ مشرکین کے ساتھ ہو کر لڑ رہے تھے کیونکہ ابھی مشرف بہ ایمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ غزوۂ بدر کے جنگی قیدیوں میں سے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ

عنہم اجمعین نے رشتہ داری کا پاس رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فدیہ چھوڑنے کی درخواست کی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رشتے میں انصار کے بھانجے بھی لگتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دادی مدینہ طیبہ سے تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخواست کو سختی سے ردّ فرمایا اور فرمایا کہ تم ہرگز ایک درہم بھی نہیں چھوڑو گے بلکہ پورا پورا فدیہ لو گے جیسے باقی تمام قیدیوں سے لیا گیا ہے

یہاں ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدل کے ترازو کو جھکنے سے کیسے سختی سے روکنے کی کوشش فرما رہا ہے۔ ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنیادی فرض اس زمین پر عدل کو قائم کرنا ہوتا ہے جسکی بنیاد توحید ہے۔ اگر اس زمین پر عدل قائم نہ کیا جائے تو وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں جن قوموں کا ذکر آیا ہے کہ وہ فلاں فلاں بُرائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ کر دی گئی ہیں، ان تمام کی بنیادی وجہ ان میں عدل کا فقدان تھا۔

قوم کی ترقی اور مضبوطی عدل کے معیار سے جانی جاتی ہے۔ عدل کی بنیاد توحید پر ہے یعنی سچ بولنے پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۴) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے''۔ معاشرے کی اکثریت کی سچائی کے معیار پر ملک میں عدل کا معیار جانا جاتا ہے۔ اُمت میں سب سے زیادہ سچ بولنے والا معاشرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کا تھا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، اسکے بعد جو انکے ساتھ رہے، اسکے بعد جو انکے ساتھ رہے۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۳۱۱)۔ اس سے یہ اشارہ تھا کہ تین زمانے کے لوگوں کی اکثریت سچ پر قائم رہے گی۔ اسکے بعد سچ پر قائم رہنے والے ہر زمانے میں کم سے کم تر ہوتے جائیں گے۔

اب ذرا ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں۔ حالت بالکل سچائی کے برعکس ہے۔ معاشرے کے اعلیٰ ترین طبقے سے لے کر نچلے ترین طبقے تک سچائی بہت ہی کم نظر آتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں عدل بھی ایک انوکھی چیز بنی ہوئی ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک ظالمانہ معاشرہ ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے گی؟ اسی لئے تو ہم بے شمار مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑی مصیبت

میرے نزدیک غیر صالح طریقہء حکمرانی ہے جو پورے معاشرے کو مکدّر کیے چلا جا رہا ہے اور انکے نزدیک معاشرے کی اصلاح کا نہ شعور ہے اور نہ ہی کوئی اہمیت ہے۔

دوسری بڑی مصیبت ملک میں دینی فرقہ واریت ہے جس نے معاشرے کو گھن کی طرح کھایا ہوا ہے۔ ہر فرقہ خود کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا قرار دیتا ہے جس سے ملکی وحدت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ سب فرقے معاشرے میں انتشار پھیلا رَہے ہیں۔ یہ صورت مذہبی گروہ بندی سے پیدا ہوئی ہے۔

پارلیمانی جمہوریت نے بھی معاشرے کو کئی ٹکڑوں میں کر رَکھا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف ہر وقت برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ سیاسی لوگوں کا فرض تو معاشرے میں اَمن اور اتحاد کی فضا پیدا کرنا ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں انکی ساری کوشش انتشار پھیلانے میں صَرف ہوتی ہے۔

ڈسپلن جو کہ سچائی کی بنیاد ہے، کہیں نظر نہیں آتا۔ ہم ہر بات میں رشتہ داری، رشوت اور برادری کا سہارا لے کر عدل کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''.....**وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۶۸) ترجمہ ''.....اللہ تعالیٰ مؤمنین کا دوست ہے''۔ اللہ تعالیٰ اپنے دُشمنوں کی مدد نہیں فرمایا کرتا جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دُشمنوں کی جنگ بدر میں مدد نہیں فرمائی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی رشتہ داری اور قبیلہ کا کوئی لحاظ نہیں رَکھا تھا۔

○.....○.....○

حدیث ۱۱۹: عَنْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ یَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَااَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ وَعَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَااَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ وَعَلٰی رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَااَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ وَعَلٰی رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَااَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ۔

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۸۶۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو خطبہ ارشاد فرمایا اور خیانت کا تذکرہ کیا اور اسکو بھاری گناہ ظاہر فرمایا اور اسکو بڑا جرم قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''قیامت کے دِن میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں جسکی گردن پر بکری ہو جو آواز دیتی ہو۔ اسکی گردن پر گھوڑا ہو جو ہنہنا رہا ہو اور وہ (انسان) کہے گا، 'یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میری امداد فرمایئے'۔ تو میں کہوں گا، 'تیری مدد کیلئے میں کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے تجھے حکم پہنچا دیا تھا'۔ اور اسکی گردن پر اونٹ ہو جو بلبلا رہا ہو اور وہ کہے گا، 'یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میری امداد کیجئے'۔ تو میں کہوں گا، 'میں تیرے لئے کسی شئے کا مالک نہیں ہوں، میں نے تجھے حکم پہنچا دیا تھا'۔ اور اسکی گردن پر سونا چاندی ہو۔ وہ کہے گا، 'یارسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میری امداد فرمایئے'۔ تو میں کہوں گا، 'میں تیری کوئی

مدد نہیں کرسکتا، میں نے تجھے حکم پہنچا دیا تھا'۔ یا اسکی گردن پر ٹکڑے حرکت کررہے ہوں گے۔ وہ کہے گا، 'یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری امداد فرمایئے'۔ تو میں کہوں گا، 'میں تیری مدد کیلئے کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے تجھے حکم پہنچا دیا تھا''۔

نوٹ: خیانت ایک بہت بھاری گناہ ہے۔ جس چیز کی خیانت کی ہوگی، اسی چیز سے اسکو عذاب دیا جائے گا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو صدقہ وصول کرنے کیلئے بھیجا تو اس نے ایک کھال چرالی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کیلئے ایسی ہی ایک کھال جہنم کی آگ سے بنائی گئی ہے (جو اسکو ہمیشہ عذاب دیتی رہے گی)۔ (نسائی، باب ۵۲۵، نماز کیلئے دوڑے بغیر جلدی چلنا)

آج اعلیٰ ترین منصب سے لے کر ادنیٰ ترین شخص تک شاید ہی کوئی خیانت سے بچا ہو اور قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیانت کرنے والے کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مؤمن نہ جھوٹا ہوسکتا ہے، نہ خائن۔ (احمد)

کیا ہم مؤمن ہیں؟

دراَصل امانت کی بہت قسمیں ہیں مثلاً ہمارا جسم اور روح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس اَمانت ہیں۔ اگر ہم انکا حق اَدا نہیں کریں گے تو ہم خیانت کررَہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ ہم ایک بہت بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں کیونکہ نہ ہمیں اپنی صحت کی فکر ہے اور نہ اپنی روح کی (اخلاقیات) لیکن دو (۲) اَمانتیں ایسی ہیں جو پورے معاشرے میں عدل کا خون کررَہی ہیں۔ ایک ان میں سے سفارش ہے۔ سفارش بھی دراَصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اَمانت ہے جس کو صحیح صحیح اَدا کرنا تو جائز ہے لیکن حدود سے تجاوز کرنا اور ظالم کے لیے سفارش کرنا خیانت ہے۔ ہماری سفارش اکثر اوقات ظالم کے لیے ہی ہوتی ہے اور مظلوم کے لیے ہم شاذ و نادر ہی سفارش سے اس کو ظلم سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح ہم ایک بہت بھاری گناہ میں اپنے آپ کو جان بوجھ کر لاشعوری طور پر مبتلا کر لیتے ہیں۔ اس کا اَثر معاشرے میں یہ

پڑتا ہے کہ حقوق پامال ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتے ہیں اور ہم پر اللہ تعالیٰ کی بہت سی نازل کی ہوئی مصیبتیں مسلط ہو جاتی ہیں۔ ہم ان مصیبتوں کی وجوہات ظاہری وسائل کو بناتے ہیں حالانکہ اَصل بات یہ ہے کہ ہم نے غلط سفارش کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا ہے۔

صحیح سفارش یہ ہے کہ اسکو مقدس اَمانت سمجھ کر وہاں استعمال کریں جہاں عدل قائم نہ ہونے کا خطرہ ہو کیونکہ عدل کی برکت سے ملک ترقی کرتا ہے۔

دوسری بڑی خیانت ہر انسان جانتا ہے۔ ہمارے دفاتر میں رشوت کا اتنا زور شور ہے کہ اس کے بغیر نہ رشوت دینے والے کی تسلی ہوتی ہے اور نہ رشوت لینے والے کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ یہاں اہلکار جو کہ عوام کا اَمین ہے، وہ اسکی اَمانت اَدا کرنے کیلئے تیار نہیں ہے لہٰذا سائل کو رشوت دینی پڑتی ہے ورنہ اسکا حق اسکو نہ ملنے کا خطرہ ہے۔ اہلکار دو خیانتیں کر رہا ہے، ایک تو اپنے حق اَمانت کو غلط استعمال کر رہا ہے اور دوسرا ناجائز مال سائل سے حاصل کر رہا ہے۔ رشوت لینے والے پر دو گناہ ثابت ہوتے ہیں لیکن کون ہے جو ہمارے ملک میں اس طریقے کو روکنے کی کوشش کرے کیونکہ جو ہمارے بڑے اَمین ہیں، وہ ایک یا دو خیانتیں نہیں کر رہے بلکہ وہ تین خیانتیں کر رہے ہیں۔ انکی خیانت ایک یہ ہے کہ ہمیں ظالم سے نہیں بچاتے۔ دوسری خیانت یہ ہے کہ اپنے منصب کو ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ تیسری خیانت یہ ہے کہ وہ رشوت اور کمیشن کی مَد میں جو مال حاصل کرتے ہیں، وہ جہنم کا انگارہ ہے۔ ان حالات میں جب بڑے اَمین ہی بڑے خائن بن گئے ہیں تو ہم مجموعی طور پر خیانت کو معاشرے میں کیسے ختم کر سکتے ہیں؟

اسکا حل کیا ہے؟

اسکا حل یہ ہے کہ ووٹ ایک اَمانت ہے، ہم اس میں خیانت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہگار ہیں۔ ہم غلط لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں اور پھر اُمید یہ رَکھتے ہیں کہ وہ ہمارے اَمین بنیں گے تو ہماری امانتوں کی حفاظت کریں گے لیکن ہوتا اسکے بالکل برعکس ہے لیکن جب تک ہم ووٹ دینے سے پہلے صحیح لوگوں کو پرکھنے، جانچنے کی صلاحیت نہیں رَکھیں گے اور آزادانہ طور پر ووٹ کا صحیح استعمال نہیں کریں گے، یہ صورتحال برقرار

رہے گی اور اسی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دراَصل خیانت کی بنیاد ہم ہی رَکھ رَہے ہیں۔

میری آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ اپنے ضمیر سے اپنی ووٹ کی اَمانت کو اللہ تعالیٰ کی مقدس اَمانت جسکے متعلق قیامت کے روز پوچھا جائے گا، سوچ سمجھ کر استعمال کریں تو مجھے اُمید ہے کہ ہمارے حکمران جن کو صحیح معنوں میں ہمارے اَمین بننا چاہیے، اچھے آنا شروع ہو جائیں گے۔

○.....○.....○

حدیث ۱۲۰: عَنِ الْمَسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّه‘ اَخْبَرَه‘ اَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ الْاَنْصَارِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا وَهُوَ حَلِیْف‘‘ لِبَنِیْ عَامِرِم ابْنِ لُؤَیّ وَکَانَ شَهِدَ بَدْرًا اَخْبَرَه‘ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعَثَ اَبَاعُبَیْدَةَ ابْنَ الْجَرَاحِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِلَی الْبَحْرَیْنِ یَاتِیْ بِجزَیَتِهَا وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ هُوَ صَالَحَ اَهْلَ الْبَحْرَیْنِ وَاَمَّرَ عَلَیْهِمُ الْعَلَآءَ بْنَ الْحَضْرَمِیّ فَقَدِمَ اَبُوْعُبَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَیْنِ فَسَمِعَتِ الْاَنْصَارُ بِقُدُوْمِ اَبِیْ عُبَیْدَةَ فَوَافَتْ صَلٰوةَ الصُبْحِ مَعَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صَلَّی بِهِمُ الْفَجرَ اِنْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوْا لَه‘ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حِیْنَ رَاٰهُمْ وَقَالَ اَظُنُّکُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ اَنَّ اَبَاعُبَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَدْ جَآءَ بِشَیْءٍ قَالُوْا اَجَلْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَبْشِرُوْا وَاَمِلُّوْا مَا یَسُرُّکُمْ فَوَاللّٰهِ لَاالْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْهَا کَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِکُکُمْ کَمَا اَهْلَکَتْهُمْ ۔

(تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۹۴۸)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا اور وہ بنی عامر بن لوی کے حلیف ہیں اور بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین جزیہ لینے بھیجا جبکہ جناب رسول اللہ نے اہل بحرین سے صلح کی تھی اور ان پر حضرت علاء بن

حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحرین سے مال لائے تو انصار نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر سنی تو انہوں نے صبح کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا چکے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے۔ جب انکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا، ''میرا خیال ہے کہ تم نے یہ سنا ہے کہ (حضرت) ابوعبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کچھ لائے ہیں''۔ انہوں نے کہا، ''جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم کو خوشخبری ہو اور اسکی اُمید کرو جو تم کو خوش کر ے گا۔ بخدا مجھے تم پر فقر کا ڈر نہیں لیکن مجھے خوف اس بات کا ہے کہ تمہارے لئے دُنیا اس طرح وسیع کر دی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں کیلئے وسیع کر دی گئی۔ تم اسکی رغبت کرو گے جیسے انہوں نے رغبت کی۔ وہ تم کو ہلاک کر دے گی جیسے انکو ہلاک کیا''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ بہت ہی تنگدستی کا زمانہ تھا۔ آج کل ہم غربت کا رونا روتے ہیں لیکن اس زمانے کی غربت ایسی تھی کہ کئی کئی روز لوگوں کو کھانے کیلئے کچھ نہیں ملتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ عنقریب تم پر مال و دولت کے دروازے کھل جائیں گے اور تم اس میں ایسے رغبت کرو گے کہ صراطِ مستقیم چھوڑ بیٹھو گے۔ تمہاری ترجیحات اوّلاً دُنیا ہو گی اور ثانیاً آخرت ہو گی اور تم اس رویے سے ہلاک ہو جاؤ گے۔

آج کل کے لوگوں کو ہم دیکھیں تو اس حدیث مبارکہ کی صداقت پر کون شک کر سکتا ہے؟ ہم رات دِن دُنیا میں مگن رہتے ہیں اور برائے نام اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں۔ ہم نے ہر کام میں جنت کا راستہ چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی اس دُنیا میں بھی جہنم بنی ہوئی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم دوبارہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جنت کی محبت اپنے دِل میں پیدا کریں اور صراطِ مستقیم کی طرف پلٹ آئیں پھر ہمیں اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی عزت عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔

حدیث۱۲۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَمْ تَجْتَبِئُوْ دِیْنَارًا وَّلَادِرْهَمًا؟ فَقِیْلَ لَهٗ وَکَیْفَ تَرٰی ذٰلِکَ کَائِنًا یَااَبَاهُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ؟ قَالَ اِیْ وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) بِیَدِهٖ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالُوْا عَمَّ ذٰلِکَ قَالَ تُنْتَهَکُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَیَشُدُّ اللّٰهُ قُلُوْبَ اَهْلِ الذِمَّةِ فَیَمْنَعُوْنَ مَافِیْ اَیْدِیْهِمْ۔ (تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۹۷۰)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو) فرمایا، ''تمہارا حال کیسا ہوگا جب تم دینار و درہم جزیہ نہ لے سکو گے؟'' ان سے کہا گیا، ''اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہیں کیسے معلوم ہے (کہ لوگ ہم کو جزیہ نہ دیں گے)؟'' حضرت ابو ہریرہ رضی تعالیٰ اللہ عنہ نے فرمایا، ''اس ذات کی قسم جسکے دستِ قدرت میں (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جان ہے، صادقِ مصدوق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے'' تو لوگوں نے کہا، ''ایسا کیوں ہوگا؟'' انہوں نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ذمہ (یعنی عہد) اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ (یعنی عہد) کی بے حرمتی کی جائیگی (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈالا جائے گا) تو اللہ تعالیٰ ذمّیوں (یعنی غیر مسلم جو مسلم حکومت کو ٹیکس دیتے تھے اور حکومت انکے جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیتی تھی) کے دِل سخت فرمادے گا اور وہ اپنے ہاتھوں میں جزیہ وغیرہ روک لیں گے''۔

نوٹ: جب حکومت کمزور ہو جاتی ہے تو لوگ ٹیکس دینا بند کر دیتے ہیں۔ حکومت میں کمزوری اسکی انتظامی صلاحیتیں کم ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انتظامی صلاحیت اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر پابندی سے چلنے پر منحصر ہے۔ جیسے جیسے حکمران کا معیارِ عدل کم ہوتا جاتا ہے، معاشرے پر اسکی گرفت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں پہلا حکم زمین پر عدل کا قائم کرنا ہے جسکی بنیاد توحید پر ہے۔

قرآنِ حکیم میں ہے کہ ''لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ.....۝'' (الحدید ۵۷، آیت ۲۵) ترجمہ ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) نازل کیے تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں.....''۔

اس وقت اگر آپ مشاہدہ کریں تو حکمران کو عدل کا شعور ہرگز نہیں ہے لہٰذا اسکی گرفت اتنی ڈھیلی پڑ چکی ہے کہ تمام مسلم ممالک میں ذمّی اور مسلم کا فرق ہی نہیں رہا۔ آج کل ذمّی تو کیا مسلمان بھی حکومت کو ٹیکس دینے سے گریز کرتا ہے اور اسکی وجہ آپکے اور میرے مشاہدے میں یہی ہے کہ ہمارے حکمران عدل تو کیا، اُلٹا عوام الناس پر دانستہ ظلم کرتے ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکایت ہے کہ میں جا رہا تھا۔ راستے میں میں نے ایک آدمی کو شیر پر سواری کرتے ہوئے دیکھا۔ میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا تو شیر سوار مجھے کہنے لگا کہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب تم اللہ تعالیٰ کا حکم مانو گے تو دُنیا کی ہر مخلوق تمہارا حکم مانے گی۔

حضرت عقبٰی بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ افریقہ میں لڑ رہے تھے۔ جنگل کے قریب انہیں اپنی فوج کو ٹھہرانا پڑا۔ جب خیمے لگائے جا رہے تھے تو فوجیوں نے دیکھا کہ اس جگہ تو بہت سانپ، بچھو، بھیڑیئے اور شیر ہیں۔ انہوں نے حضرت عقبٰی بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ پڑاؤ کسی اور جگہ منتقل کر لیں۔ حضرت عقبٰی بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے ساتھ دو رکعت نماز پڑھو۔ حضرت عقبٰی بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے بعد اس جنگل کے تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے مجاہدین کو اس جگہ ٹھہرنے کی اجازت دے دو اور یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاؤ۔ فوج نے دیکھا کہ آناً فاناً انکے سامنے ہر قسم کا جانور یہاں تک کہ بھیڑیا اپنے بچوں کو کمر پر اُٹھائے جنگل سے باہر دُور کا رُخ کیے ہوئے ہے۔ اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو فرد، فوج اور قوم اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلے گی، دوسری تمام مخلوق اسکا حکم مانے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے، ''اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ .....'' (لقمٰن ۳۱، آیت ۲۰) ترجمہ ''کیا تم

دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ہر مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، مسخر کر رکھی ہے''۔

آج کل لیبیا میں حضرت عقبیٰ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک ایئر بیس بنا ہوا ہے۔

حضرت عقبیٰ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شمالی افریقہ کو فتح کرتے ہوئے ساحل سمندر (بحر اوقیانوس) تک پہنچے تو ایمان کا جذبہ اتنا تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ سمندر سے پار جو بھی ملک ہے، میں اسکو بھی فتح کر کے رَہوں گا اور سمندر میں گھوڑے سمیت داخل ہو گئے لیکن جب گھوڑا ڈوبنے لگا تو انہیں واپس آنا پڑا کیونکہ چیزوں کی حقیقت تو نہیں بدلتی۔ سمندر کو پار کرنا گھوڑے کے بس کی بات نہیں تھی۔ اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

؎ دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات (۱) میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے!

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ طیبہ سے باہر جا رَہے تھے کہ راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے کہنے لگے کہ ایک شیر راستہ روکے بیٹھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آگے ہو کر شیر کا کان پکڑا اور اسکو کہا کہ ہمارا راستہ چھوڑ دو اور شیر ایک طرف کو بھاگ گیا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ تاریخی واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فوراً ہی حضرت ساریہ کو جو کہ ایران میں لڑ رہے تھے، آواز دی کہ اپنی فوجوں کا رُخ بدل لو کیونکہ تمہارے آگے دُشمن نے خندق کھود رَکھی ہے۔ حضرت ساریہ نے یہ حکم سن کر اپنی فوجوں کا راستہ تبدیل کیا اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہوا کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے مسخر فرما دیا اور سورج کی روشنی کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے بینائی کی ترسیل کا موجب بنا دیا۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورے خلوص کے ساتھ ادا کرتا ہے اور انکو

(۱) بحرِ ظلمات (Atlantic Ocean) بحر اوقیانوس

اپنی زندگی کا محور بنالیتا ہے تو دُنیا کی ہر مخلوق اسکی تابع ہو جاتی ہے۔ ذمّیوں کا ٹیکس دینے سے انکار کی پیشین گوئی اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اُس وقت کا مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ کر غیر اللہ کے احکام کی پیروی کرنے لگ جائے گا اور اسکا رُعب دوسری مخلوق پر تو کیا، انسانوں پر یعنی مسلمانوں اور ذمّیوں پر بھی جاتا رہے گا۔

○.....○.....○